جاء الحق

مصنف

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی

صاحبزادہ اقتدار احمد خاں مالک نعیمی کتب خانہ گجرات


MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: D76430
MARDI


TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

الحمد للہ کہ کتاب لاجواب نافع شیخ وشاب مفید عاقل موقظ غافل

المسمیٰ بہ

جاء الحق وزھق الباطل

المعروف بہ

فیصلہ مسائل

حصہ دوم

جس میں موجودہ زمانہ کے غیر مقلد وہابیوں کے متعلق عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت مدلل فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

مصنفہ

حضرت حکیم الامت مفتی اعظم مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی اشرفی بدایونی خطیب جامع مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات

ناشران:۔ محمد مختار عرف محمد میاں۔ اقتدار احمد خاں عرف مصطفٰے میاں، حضرت پسران مصنف مدظلہ

ملنے کا پتہ:۔ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی کتبخانہ گجرات پاکستان

کاتب محمد یوسف گوندلوی گوندلانوالہ ڈاکخانہ خاص تحصیل وضلع گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ
مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اُولِی الصِّدْقِ وَالصَّفَا

جاننا چاہیئے کہ موجودہ دور بہت فتنہ وفساد کا زمانہ ہے۔ کفر والحاد بے دینی کی ہوس ربا آندھیاں چل رہی ہیں بد مذہبی لادینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہ ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اتباع سنّت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سواء سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنّت کیا۔ بلکہ جنہیں عربی عبارت پڑھنا نہیں آتی وہ آمین بالجہر و رفع یدین کی چار حدیثیں یاد کرکے اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاء الحق جلد اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جاء الحق میں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق پر معرکۃ الآرا بحث کی جاء الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلدوہابیوں کی پرزور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندان شکن جواب دیئے جاویں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دیر ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے "فتاویٰ نعیمیہ" اور حاشیہ بخاری نعیم الباری عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان میں لکھی جاوے۔ توکلاً علی اللہ ادھر توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہ ہی ہو گا۔ جو جاء الحق حصہ اوّل کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان ہو گا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ

دیتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی معقول نامعقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز اگر جرح و تعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی اسناد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔ یہ تمام بحثیں ان شاء اللہ مقدمہ میں کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث پیدا کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر مقلد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اُسے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کرکے مان لیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لیئے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف و اقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل پر بھروسہ ہے۔ رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرماوے۔ میرے لیئے اسے کفارہ سیئات و صدقہ جاریہ بنائے۔ اس کا نام جاء الحق حصہ دوم رکھتا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اُٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے نوا کے حسن خاتمہ کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی بدایونی خطیب جامع
مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات
یکم ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۷۶ھ دوم اپریل ۵۷ء
دوشنبہ مبارکہ

؎

محمد یوسف خوشنویس گوندلوی
پنڈ گوندلانوالہ تحصیل و ضلع گوجرانوالہ

مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمالیں۔ یہ قواعد بہت ہی کار آمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۔ اسناد[1] کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں حدیث صحیح۔ حدیث حسن۔ حدیث ضعیف۔

صحیح:۔ وہ حدیث ہے۔ جس میں چار خوبیاں ہوں (۱) اس کی اسناد متصل[2] ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو (۲)، اس کے سارے راوی اوّل درجہ کے متقی پرہیزگار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستور الحال نہ ہو (۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حافظہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو (۴) وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن:۔ وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف:۔ وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی الحافظہ نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں اُن میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲۔ پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ:۔ ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں

---

[1] راویان حدیث کے سلسلہ کو اسناد حدیث اور الفاظ حدیث کو جہاں اسناد ختم ہو متن حدیث کہتے ہیں۔
[2] اگر اسناد میں ایک یا چند راوی چھوٹ گئے ہوں اسے حدیث منقطع کہتے ہیں

نے عوام کے ذہن نشین کرا دیا ہے کہ لوگوں نے اسے گھا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳۔ اگر حدیث ضعیف کسی وجہ حسن بن جاوے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴۔ حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہو جاوے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی
(مرقات۔ موضوعات کبیر۔ شامی۔ مقدمہ مشکوٰۃ شریف مولانا عبد الحق۔ رسالہ اصول حدیث للجرجانی اوّل ترمذی شریف وغیرہ۔

۲۔ علماء کاملین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوے گی اس ہی لیئے امام ترمذی فرما دیتے ہیں۔

هٰذَا الْحَدِیْثُ غَرِیْبٌ ضَعِیْفٌ وَالْعَمَلُ عَلَیْہِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ	یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف ناقابل عمل مگر علماء امت نے بیوقوفی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روائتیہ کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہو گئی

۳۔ علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ محی الدین بن عربی ایک حدیث سنی تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستّر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی (صحیح البہاری) تحذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں یہ ہی واقعہ جنید رحمۃ اللہ

کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵ ۔ اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح اسی لئے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرما دیتے ہیں۔

ھذا الحدیث حسن صحیحٌ غریب] یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے دوسری سے صحیح تیسری سے غریب

قاعدہ نمبر ۶ ۔ بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لئے مضر نہیں۔ لہٰذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہو۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف، راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔ لہٰذا کسی وہابی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

لطیفہ ۔ ایک دفعہ ایک وہابی غیر مقلد سے قرأۃ خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی۔ ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرأۃُ الاِمامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ] امام کی قرأت مقتدی کی قراءت ہے

وہابی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جابر جعفی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جعفی کب پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۲۳۵ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں ہے اور وفات ۱۵۰ھ میں لہٰذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی وہابی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہٰذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہیئے کہ وہابی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا انشاء اللہ وہابی جی پانی مانگ

جائیں گے اور ضعیف ضعیف کا سبق بھول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۷۔ جرح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تدلیس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نوعمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں (نورالانوار بحث طعن علی الحدیث)

قاعدہ نمبر ۸۔ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ سے اس کا فسق ثابت ہوا بعض نے فرمایا کہ وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی۔ کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

قاعدہ نمبر ۹۔ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی محدّث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰۔ صحیح حدیث کا دارو مدار مسلم بخاری یا صحاحِ ستّہ پر نہیں صحاح ستّہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح ہیں ان کے سوا دوسری کتب کی ساری حدیثیں ضعیف بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ان میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سر آنکھوں پر ہے بخاری میں ہو نہ ہو تعجب ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ کہ خدا کی پناہ۔

قاعدہ نمبر ۱۱ - کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کرلینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرماوے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبد اللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَاِنِّیْ اِذَا اَسْنَدْتُ الْحَدِیْثَ اِلَیْهِمْ کَاَنِّیْ اَسْنَدْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ	میں نے جب حدیث کو ان محدثین کیطرف منسوب کردیا تو گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی منسوب کردیا۔

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر امت کا عمل ہے ان کو علماء فقہا نے قبول فرمالیا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمد یار خاں

قاعدہ نمبر ۱۲ - اگر حدیث و قرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافقت ہو جاوے تعارض جاتا رہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپس میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ	جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ	جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی

ف ۱ حدیث کی چھ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ حدیث کی کل مشہور کتب پچاس سے زیادہ ہیں۔ مسند امام احمد۔ مسند امام ابو حنیفہ۔ مؤطا امام مالک۔ بیہقی۔ دارمی۔ دارقطنی حاکم وغیرہ۔ امام بخاری کا نام شریف محمد ابن اسماعیل ہے آپ کی ولادت ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے ۵۴ برس بعد کیونکہ امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے ؂

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا حدیث کے معنی یہ کرو کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قراءت نماز میں فرض ہے اور سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اٹھ گیا اور قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہوگیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا | جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔ اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا پڑھ لینا کافی ہے کہ یہ اس کی حکمی قراءت ہے۔ غرضیکہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی سے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ مانی جاوے گی۔ یا حضور کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ اس کی بہت مثالیں ہیں

قاعدہ نمبر ۱۳۔ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کا دار و مدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔ مگر حنفیوں کے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن وحدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر مقلدیت رب کا عذاب۔

پہلا باب

کانوں تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھوکر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہٰذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

پہلی فصل

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳۔ بخاری۔ مسلم۔ طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ اُذُنَيْهِ وَفِي لَفْظٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ اُذُنَيْهِ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لو تک اٹھاتے

حدیث نمبر ۴۔ ابوداؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلٰى قَرِيْبٍ مِنْ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ۔

میں نے حضور کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یدین نہ فرماتے۔

حدیث نمبر ۵۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ قَالَ

انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کر حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے

اَحَدُ الرُّوَاةِ حِبَالَ اُذُنَيْهِ ثُمَّ اِلْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ

ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپا لئے

حدیث نمبر ۶ تا ۸ - بخاری۔ ابوداؤد۔ نسائی نے حضرت ابو قلابہ سے روایت کی۔

اَنَّ مَالِكَ ابْنَ حُوَيْرِثٍ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِذَا كَبَّرَ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ حَتّٰى يَبْلُغَ فُرُوْعَ اُذُنَيْهِ۔

مالک ابن حویرث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب تکبیر تحریمہ فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے

حدیث نمبر ۹ تا ۱۲ - امام احمد۔ اسحاق ابن راہویہ۔ دار قطنی۔ طحاوی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَ اِبْهَامَاهُ حِذَاءَ اُذُنَيْهِ۔

جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو جاتے۔

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵ - حاکم نے مستدرک میں دار قطنی اور بیہقی نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔

رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فَحَاذٰى بِاِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ۔

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیئے

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷ - عبدالرزاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَبَّرَ لِاِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَكُوْنَ اِبْهَامَاهُ قَرِيْبًا مِنْ شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کیلئے تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لو کے مقابل ہو جاتے

حدیث نمبر ۱۸ - ابوداؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتْ بِحِبَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى بِاِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ شریف تو کندھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے

حدیث نمبر ۱۹ - دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

اَنَّہٗ رَاَیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ اِفْتَتَحَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی حَاذَا بِھِمَا اُذُنَیْہِ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ اِلٰی شَیْئٍ مِنْ ذٰلِکَ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ

انہوں نے حضور کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اُٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل فرمادیا۔ پھر نماز سے فراغت تک ہاتھ نہ اُٹھائے

حدیث نمبر ۲۰ - طحاوی شریف نے ابوحمید ساعدی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لِاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ کَبَّرَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ حَذَاءَ وَجْھِہٖ -

وہ حضور کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔ آپ جب کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اُٹھاتے۔

کانوں تک ہاتھ اُٹھانے کی اور بہت احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصًا صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرو کہ اس جیسی کتاب حنفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔

عقلی دلائل - عقل بھی چاہتی ہے۔ کہ نماز شروع کرتے وقت کانوں تک ہاتھ اُٹھائے جائیں کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی جھگڑوں سے بیزار و بے تعلق ہوتا ہے، کھانا پینا بولنا ادھر اُدھر دیکھنا سب کو اپنے پر حرام کرلیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر کرتا ہے۔ اور عرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزاری کراتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھواتے ہیں۔ کندھے نہیں پکڑواتے گویا نمازی قول سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے عمل سے کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار ہوتا ہے۔ ایسے موقعہ پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔ جیسے سجدے میں مسلمان زبان سے تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار ایسے ہی شروع نماز کے وقت ایک جز کا اقرار زبان سے ہے دوسری جز کا اظہارِ عمل سے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں

اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حَذَاءَ مَنْکِبَیْہِ	حضور جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف کندھوں کے مقابل کرتے تھے

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیئے

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک اپنے کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔

یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنّت۔

جواب - یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جاویں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاوے گا۔ لیکن کاندھوں تک انگوٹھے لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جن میں کانوں تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہذا حنفی جامع ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اس کی تصریح گزر گئی۔ کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کاندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے کانوں تک لہذا نہ احادیث متعارض ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ حضور اپنے انگوٹھے کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جہاں کاندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا اور جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کاندھوں تک ہاتھ اسی

طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض نمبر ۲۔ کانوں کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہذا قابل عمل نہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک‌ یہ کہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکے مل کر مضبوط رسی بن جاتے ہیں۔ تو کمزور اسنادیں متن حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ چوتھے یہ کہ ان احادیث پر امت کے علماء اولیاء صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابوحنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کا ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مجہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں وہابیوں کے اس مایۂ ناز اعتراض کے ٹکڑے اڑ گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنّت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ تَحْتَ السُّرَّةِ رَوَاهُ اِبْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ بِمُسْنَدٍ صَحِيْحٍ وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔

حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ثَلٰثٌ مِّنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِيْلُ الْاِفْطَارِ وَتَاخِيْرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ سحری دیر کرنا۔ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

حدیث نمبر ۳۔ ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

قَالَ اَبُوْ وَائِلٍ اَخْذُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ

ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیئے

حدیث نمبر ۴، ۵۔ دارقطنی اور عبداللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْكَفِّ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنّت ہے

حدیث نمبر ۶ تا ۹۔ ابوداؤد نسخہ ابن اعرابی۔ احمد۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّهٗ قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ

ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے

تَحْتَ السُّرَّۃِ

حدیث نمبر۱۰۔ رزین نے حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّ عَلِیًّا قَالَ اَلسُّنَّۃُ وَضْعُ الْکَفِّ فِی الصَّلٰوۃِ وَیَضَعُھُمَا تَحْتَ السُّرَّۃِ۔	نماز میں ہاتھ باندھنا سنّت ہے۔ اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے

حدیث نمبر۱۱۔ امام محمد نے کتاب الآثار شریف میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ کَانَ یَضَعُ یَدَہُ الْیُمْنٰی عَلٰی یَدِہِ الْیُسْرٰی تَحْتَ السُّرَّۃِ۔	آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے

حدیث نمبر۱۲۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ یَضَعُ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔	آپ نے فرمایا کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔

حدیث نمبر۱۳۔ ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ مِنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّۃِ وَضْعُ الْیَمِیْنِ عَلَی الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّۃِ۔	آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔

حدیث نمبر۱۴۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ وَسَاَلْتُہٗ قُلْتُہٗ کَیْفَ یَصْنَعُ قَالَ یَضَعُ بَاطِنَ کَفِّہٖ یَمِیْنِہٖ عَلٰی ظَاھِرِ کَفِّ شِمَالِہٖ وَ یَجْعَلُھُمَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّۃِ اِسْنَادُہٗ جَیِّدٌ وَرُوَاتُہٗ کُلُّھُمْ ثِقَاتٌ	میں نے ابو مجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھو۔ صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ اس میں انتہائی ادب ہے۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری

دیتا ہے۔ لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیئے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیاز مندی کے لیے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھکر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالٰی سمجھ نصیب کرے۔ غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض نمبر ۱۔ ابوداؤد شریف میں ابن جریر ضبی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا یُمْسِکُ شِمَالَہٗ بِیَمِیْنِہٖ عَلَی الرُّسْغِ فَوْقَ السُّرَّۃِ۔

میں نے حضرت علی مرتضٰے کو دیکھا کہ آپ نے بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (نسخہ ابن اعرابی)

قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ رُوِیَ عَنْہُ سَعِیْدُ ابْنُ جُبَیْرٍ فَوْقَ السُّرَّۃِ وَقَالَ اَبُوْ مِجْلَزٍ تَحْتَ السُّرَّۃِ وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَلَیْسَ بِالْقَوِیِّ۔

ابوداؤد نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے اوپر کی روایت ہے۔ ابو جلاد نے ناف کے نیچے کی روایت کی۔ ابی ہریرہ سے بھی یہ روایت ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔

نوٹ ضروری۔ زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مروجہ ابوداؤد کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابوداؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابوداؤد میں اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایات کیں۔

بہرحال آپ کی پیش کردہ ابوداؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہوگیا۔ اور ان تمام متعارضہ روایتوں کو خود ابوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابوداؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہونی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قابل عمل ہوں۔ کیونکہ سجدہ۔ رکوع۔ التحیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیئے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے۔ رب کو زور نہ دکھاؤ وہاں زاری کرو۔

اعتراض ۲:۔ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے

جواب:۔ ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے سات جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں۔ نیز امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابوحنیفہ جیسے جلیل القدر امام کے قبول فرما لینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا بعد کا ضعف امام اعظم کو مضر کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ:۔ ہم نے چھ رمضان المبارک دوشنبہ کو حافظ الٰہی بخش صاحب سکنہ جمال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب مقیم گجرات کی خدمت عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں اُن سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مع حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایۂ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے یہ جواب آیا وہ سنیئے اور سر دھنیئے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

بلوغ المرام ص ۲۱ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ	وائل ابن حجر سے مروی ہے کہ اونہوں نے فرمایا میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ	نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر اپنے سینہ پر رکھا۔

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کہا بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور نحر یعنی سینے پر نماز میں ہاتھ رکھیں۔

یہ جواب دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں۔ جس کا سر نہ پاؤں نہ کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ الٰہی بخش نے ہمیں بتایا کہ بلوغ المرام کوئی تیس چالیس ورق کا رسالہ ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اوّل تو پتہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ فوضع کی ف عاطفہ تعقیبیہ سے ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کسی حاجت سے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھے۔ رب فرماتا ہے۔

وَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا	جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لئے چلے جاؤ۔ اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور نہ ہوا کہ آیا عورتوں کی طرح سینے پر ہاتھ رکھے یا پہلوانوں کی طرح لہٰذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے۔ کہ وَانْحَرْ کے یہ اچھوتے معنی نہ کسی مرفوع صحیح حدیث میں آئے نہ جمہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو اور حوالہ کیسی بڑی معتبر تفسیر کا دیا۔ تفسیر قادری اردو جل جلالہ، اگر بفرض

محال مان لو۔ تو تمام اہل حدیث حضرات کو چاہیئے کہ اب سے نمازیں بجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ نحر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جو سینے سے متصل اوپر کی جانب ہے قربانی کو نحر اس لئے کہتے ہیں۔ کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلا چیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہذا اب ان بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلا پکڑنا چاہیئے

بہر حال ہم کو مولانا موصوف کے اس جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم بخاری۔ یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث صحیحہ کیا ملتی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

وَرَاٰی بَعْضُھُمْ اَنْ یَّضَعَھُمَا فَوْقَ السُّرَّۃِ	بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے
وَرَاٰی بَعْضُھُمْ اَنْ یَّضَعَھُمَا تَحْتَ السُّرَّۃِ	اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے
وَکُلُّ ذَالِکَ وَاسِعٌ عِنْدَھُمْ	رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

تیسرا باب

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نمازی سورۂ فاتحہ کے اوّل بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قراءۃ شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالےٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳۔ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ اَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوں۔

حدیث نمبر ۴۔ مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۵ تا ۷۔ نسائی۔ ابن حبان۔ طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ اَسْمَعْ اَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم۔

حدیث نمبر ۸ تا ۱۱۔ طبرانی نے معجم کبیر میں ابو نعیم نے حلیہ میں ابن خزیمہ اور طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوْا يُسِرُّوْنَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۲ تا ۱۴۔ ابوداؤد۔ دارمی۔ طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوْا يَسْتَفْتِحُوْنَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ کَانُوْا یَسْتَفْتِحُوْنَ الْقِرَاءَۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَایَذْکُرُوْنَ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِیْ اَوَّلِ الْقِرَاءَۃِ وَلَا فِیْ اٰخِرِھَا	یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قراءۃ شروع فرماتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ قرأۃ کے شروع میں ذکر کرتے تھے نہ قراءۃ کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۱۶۔ ابن ابی شیبہ نے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّہٗ کَانَ یُخْفِیْ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْاِسْتِعَاذَۃَ وَرَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ	عبد اللہ ابن مسعود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ باللہ اور ربنا لک الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ اَرْبَعٌ یُخْفِیْھِنَّ الْاِمَامُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَسُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَالتَّعَوُّذُ وَاٰمِیْنَ۔	آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے بسم اللہ۔ سبحانک اللہم۔ اعوذ باللہ اور آمین۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹۔ مسلم ابوداؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوۃَ بِالتَّکْبِیْرِ وَالْقِرَاءَۃَ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ	فرماتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قراءۃ الحمد للہ سے۔

حدیث نمبر ۲۰۔ عبد الرزاق نے ابوفاختہ سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیًّا کَانَ لَا یَجْھَرُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَکَانَ یَجْھَرُ بِالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ	حضرت علی مرتضےٰ بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل۔ بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے۔ کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے

کے لیئے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کے لیئے نمازی قراءۃ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ اعوذ سورۃ کا جزء نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لیئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جزء نہیں۔ ہاں سورہ نمل شریف میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ جزء ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورہ کا جزء نہیں۔ لہٰذا آہستہ پڑھنی چاہیئے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱ ؎ چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورۃ کا جزء ہے۔ اگر جزء نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہٰذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہیئے

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جزء و نہیں۔ کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدءُ الوحی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبرئیل امین نے حضور کی خدمت میں عرض کیا اقراء پڑھو حضور نے فرمایا۔ ما انا بقاری میں پڑھنے والا نہیں پھر عرض کیا اقراء حضور نے پھر وہ ہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ الخ غرضیکہ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ شریف نازل نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ اگر بسم اللہ ہر سورۃ کا جزء ہوتی تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لمبے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آئتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ دیکھو سورۃ نمل شریف میں بسم اللہ سورۃ کا جزء ہے تو وہاں علیحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ کا امتیازی شکل میں علیحدہ لکھنا فاصلہ کے لیئے ہے۔

اعتراض ۲۔ طحاوی شریف میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ بَیْتِہَا فَیَقْرَاُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے۔ تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الخ

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ ام سلمہ کیسے سن لیتیں۔

جواب۔ اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں جماعت سے پڑھتے تھے۔ نفل میں قراءۃ قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بھی آہستہ۔ ام سلمہ اس موقعہ پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لئے حضور کی آہستہ آواز شریف سن لیتی تھیں آہستہ قراءۃ میں بھی اتنی آواز چاہیئے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قراءۃ نہ ہوگی تفکر ہوگا لہٰذا اس حدیث سے آپ کا مدعیٰ ثابت نہیں۔

اعتراض ۳۔ ترمذی شریف میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْتَتِحُ صَلٰوتَہٗ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ دیکھا فرماتے ہیں۔

من احدیث لیس اسنادہ بذالک	یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔

افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کر کے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث پیش کر رہے ہو۔ جس کا سرانہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لو تو بھی اس میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نماز بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیئے۔ مگر آہستہ تیسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہوں کیونکہ صلوٰتہ فرمایا نہ کہ قراءۃ

اعتراض ۵۔ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن ابزیٰ سے روایت کی۔

صَلَّیْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَجَھَرَ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَکَانَ یَجْھَرُ اَبِیْ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھی میرے والد بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب - اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جن میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین الحمد للہ سے قراءۃ شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے لہٰذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعا سے پہلے برکت کے لئے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیئے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزء ہے اور سورۃ کا جزء ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لئے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں۔ اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

چوتھا باب

امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔ اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں لہٰذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالےٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ | اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیے جاؤ

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءت بھی کرتے تھے۔ بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ | اور کھڑے ہو اللہ کیلئے اطاعت کرتے ہوئے (خاموش)

چنانچہ مسلم نے باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ اور بخاری نے باب ما ینہی من الکلام فی الصلوٰۃ میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِی الصَّلٰوةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهٗ وَهُوَ اِلٰى جَنْبِهٖ فِی الصَّلٰوةِ حَتّٰى نَزَلَتْ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ فَاُمِرْنَا بِالسُّكُوْتِ | ہم لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت اتری وقوموا للہ الخ پس

وَنُهِيْنَا عَنِ الْكَلَامِ (لفظ مسلم) ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا۔

پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہو گئی۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا الخ جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔ چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت واذا قرأ کی تفسیر میں ہے۔

وَجُمْهُوْرُ الصَّحَابَةِ عَلٰى اَنَّهٗ فِي اسْتِمَاعِ الْمُؤْتَمِّ۔ عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قراءۃ امام سننے کے متعلق ہے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت واذا قرئ کی تفسیر میں ایک روایت، یہ نقل فرمائی۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ نَاسًا يَقْرَءُوْنَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَمَا اٰنَ لَكُمْ اَنْ تَفْقَهُوْا وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ تم اس آیت کو سمجھو واذا قرئ القرآن الخ

تنویر مقباس من تفسیر ابن عباس شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِلٰى قِرَاءَتِهٖ وَاَنْصِتُوْا لِقِرَاءَتِهٖ جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جاتے تو اس کی قراءت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جانے وقت خاموش رہو۔

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اوّل اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قراءت کرتے تھے اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قراءۃ منسوخ ہو گئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱:۔ مسلم شریف باب سجود التلاوۃ میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے۔

اَنَّهٗ سَاَلَ زَيْدَ ابْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْاِمَامِ فِيْ شَيْءٍ انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی سے امام کے ساتھ قراءۃ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قراءۃ جائز نہیں۔

حدیث نمبر ۲۔ مسلم شریف باب التشہد میں ہے۔

فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَکْرٍ فَحَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ فَقَالَ هُوَ صَحِیْحٌ یَعْنِیْ وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔

ابوبکر نے سلمان سے پوچھا کہ ابوہریرہ کی حدیث کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے یعنی یہ حدیث کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو بالکل صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۳۔ ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ صَلّٰی رَکْعَةً لَمْ یَقْرَءْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ یُصَلِّ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ وَرَاءَ الْاِمَامِ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔ (یعنی تب نہ پڑھے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۴۔ نسائی شریف میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَءَ فَاَنْصِتُوْا۔

حضور نے فرمایا کہ امام اس لیئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو

ہم حدیث نمبر ۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ۔

جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔

حدیث نمبر ۶ تا ۱۰۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں امام ابوحنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عائشہ عن عبداللہ ابن شداد عن جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ

حضور نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اوس کی تلاوت ہے محمد ابن منیع اور امام

قِرَاءَةٌ قَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ مَنِيعٍ وَابْنُ الْهُمَامِ هٰذَا الْاِسْنَادُ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ

ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔

یہ حدیث امام احمد۔ ابن ماجہ۔ دارقطنی۔ بیہقی نے بھی روایت کی (صحیح البہاری)

حدیث نمبر ۱۱۔ طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَتَقْرَءُوْنَ وَالْاِمَامُ يَقْرَاُ فَسَكَتُوْا فَسَاَلَهُمْ ثَلٰثًا فَقَالُوْا اِنَّا لَنَفْعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور نے نماز پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیا امام کی قراءۃ کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا۔

حدیث نمبر ۱۲۔ طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ قَرَاَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى الْفِطْرَةِ

جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں

حدیث نمبر ۱۳۔ دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَاُ خَلْفَ الْاِمَامِ اَوْ اُنْصِتُ قَالَ بَلْ اَنْصِتْ فَاِنَّهٗ يَكْفِيْكَ۔

ایک شخص نے حضور سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا خاموش رہو۔ امام تیرے لئے کافی ہے۔

حدیث نمبر ۱۴۔ دارقطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ

حضور نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں

حدیث نمبر ۱۵۔ بیہقی نے قراءۃ کی بحث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ صَلٰوةٍ لَا يُقْرَاُ فِيْهَا بِاُمِّ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ اِلَّا صَلٰوةً خَلْفَ الْاِمَامِ

انہوں نے حضور سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص ہے سواء اوس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔

حدیث نمبر ۱۶ و ۱۷ - امام محمد نے مؤطا میں عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَيْتَ فِي فَمِ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرًا۔ | جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۴ - امام طحاوی نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود - زید ابن ثابت - عبد اللہ ابن عمر - عبد اللہ ابن عباس - جابر ابن عبد اللہ - حضرت علقمہ - حضرت علی مرتضیٰ - حضرت عمر وغیرہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرأت کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ ہو - کوئی فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں وہ فطرت کے خلاف ہے اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قراءۃ خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۴ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف - مؤطا امام محمد - صحیح البہاری - ہمارا حاشیہ بخاری نعیم البہاری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔

(۱) نماز میں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے - ایسے ہی سورۃ ملانی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا۔ | اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قراءت کافی ہے - ایسے ہی سورہ فاتحہ میں بھی کافی ہے

(۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اُسے رکعت مل جاتی ہے - اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اُسے رکعت نہ ملنی چاہیئے تھی - دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کہے یا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے

تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تکبیر تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ امام کی قراۃ اس کے لیے کافی ہے۔ جب اس مقتدی کیلئے قراءۃ ساقط ہوگئی تو چاہیئے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو

(۳) اگر مقتدی پر قراءۃ فاتحہ بھی ہو اور آمین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورہ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آمین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دو۔ نہ دو آمین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے بیچ میں آمین درست ہے

(۴) اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہو اور امام رکوع میں چلا جاوے تو بتاؤ یہ مقتدی آدھی فاتحہ چھوڑ دے یا رکوع چھوڑ دے۔ جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل و قیاس سے جواب نہ دینا۔ مشرق و مغرب کے علماء اہلحدیث کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات ۲-۳-۴ کے جوابات تمام حضرات مل کر مشورہ کر کے دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔ انشاء اللہ نہ دے سکینگے تو چاہیئے کہ ضد چھوڑیں اور احناف کی طرح حکم قرآن و حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کیا کریں۔

(۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجا لاتے ہیں۔ مگر عرض و معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گیا وہ ہی کرے گا۔ ایسے ہی باجماعت نمازی رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو تکبیر۔ تسبیح۔ تشہد وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے سب ادا کریں۔ مگر تلاوت قرآن جو عرض و معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلدین اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ہر ایک نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوالات ہم نقل

کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس طریقہ سے وہ بھی نہ کرسکیں گے رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ آیۃ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ میں قرآن سے مراد جمعہ کا خطبہ ہے۔ نہ کہ مقتدی کی نماز جیساکہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔ لہذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورۂ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب۔ یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکیہ ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز وخطبہ مدنیہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بفرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قراءۃ قرآن کا ذکر ہے۔ لہذا یہ حکم سب کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا۔ تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے۔ جبکہ سارا قرآن ہی پڑھا جارہا ہے۔ خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبۂ جمعہ میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے نہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو حضور کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کرکے شور نہ کیا کرو لہذا سورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔

جواب۔ یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے۔ لعلکم ترحمون تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے

مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً	یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے

دیکھو کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا

اور جو کچھ انہوں نے کام کیئے تھے۔ ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک غبار کے ریزوں کی طرح بنا دیا۔

اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے۔ تب بھی ثواب کا مستحق نہیں بغیر وضو نماز درست نہیں۔ بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں ارشاد ہُوا۔ وانصتوا خاموش رہو۔ خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نہ بات کرو نہ کچھ پڑھو اگر سورۃ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرضیکہ یہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی نہ خطبہ جمعہ کے لیئے نمازیوں کو امام کے پیچھے قراءۃ سے روکنے کے لیئے نازل ہوئی چنانچہ بیہقی شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الصَّلٰوةِ فَسَمِعَ قِرَاءَةَ فَتًى مِّنَ الْاَنْصَارِ فَنَزَلَ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ (بہاری)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءۃ فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی قراءت سُنی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاِذَا قُرِئَ۔

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاویہ ابن قرہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔

قَالَ اِنَّمَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ اِذَا قَرَءَ الْاِمَامُ فَاسْتَمِعْ لَهٗ وَاَنْصِتْ (بہاری)

یہ آیت واذا قرئ الخ امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قراءت کرے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔

اعتراض نمبر ۳۔ اگر تلاوت قرآن کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہو تو مصیبت آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سنی جاتی ہے۔ تو سب کو کاروبار کلام سلام حرام ہو جاوے گا۔ امام تراویح پڑھ رہا ہے ایک آدمی آیا جس نے ابھی فرض نہیں پڑھے وہ اوس ہی مسجد میں فرض عشا پڑھتا ہے۔ جہاں قراءۃ کی آواز آرہی ہے۔ یہ بھی

حرام ہوگا۔ غرضیکہ یہ معنی امت کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہیں (موجودہ وہابی)

جواب ۔ ساری امت کا اجماع ہے کہ تلاوت قرآن سننا فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین اگر قاری کی قراءت ایک مسلمان بھی سن رہا ہے تو کافی ہے جیسے نماز جنازہ کہ اگرچہ سب پر فرض ہے مگر ایک کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو گئے امام کے پیچھے سب مقتدی ایک شخص کے حکم میں ہیں۔ جیسے نماز جنازہ کی جماعت لہٰذا مقتدیوں میں سے تو کوئی کلام سلام۔ تلاوت نہیں کر سکتا۔ غیر مقتدی کے لئے ان مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ ہاں اگر سب لوگ کاروبار میں لگے ہوں کوئی نہ سن رہا ہو تو بلند آواز سے تلاوت منع ہے ایسے ہی ایک مجلس میں چند لوگوں کا بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا منع ہے یا تو ایک تلاوت کرے باقی سنیں یا سب خاموشی سے پڑھیں۔ اس کی تحقیق شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھو۔ لہٰذا نہ کوئی آفت ہے نہ مصیبت۔

اعتراض نمبر ۴ ۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مکتب میں چند بچے ایک ساتھ قرآن شریف بلند آواز سے یاد نہیں کر سکتے پھر بھی مصیبت ہی رہی۔

جواب ۔ وہاں تعلیم قرآن ہے۔ تلاوت قرآن نہیں۔ تلاوت کا سننا فرض ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا اس لئے رب نے اِذَا قُرِئَ فرمایا اِذَا تَعَلَّمَ نہ فرمایا۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ | جب تم قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو

تلاوت قرآن پر اعوذ پڑھنا چاہیئے۔ مگر جب شاگرد استاد کو قرآن سنائے تو اعوذ نہ پڑھے کہ یہ تلاوت قرآن نہیں تعلیم قرآن ہے (شامی وغیرہ) ایسے ہی قرآن کریم خلاف ترتیب چھاپنا منع ہے۔ ترتیل و ترتیب چاہیئے۔ مگر بچوں کی تعلیم کے لئے آخری پارہ الٹا چھاپتے بھی ہیں اور انہیں الٹا پڑھاتے بھی ہیں تعلیم و قراءۃ کے احکام میں فرق ہوتا ہے قرآن نے بھی تلاوت و تعلیم میں فرق کیا رب فرماتا ہے۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ الخ وہ نبی مسلمانوں پر آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں۔ اور انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر تلاوت اور تعلیم میں فرق نہیں تو یہاں ان دونوں کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا۔

اعتراض نمبر ۵ ۔ آپ کی پیش کردہ حدیث قِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ اور حدیث وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا میں لفظ قراء ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا تو ان احادیث کا مطلب

یہ ہے کہ جب امام پڑھے تم خاموش رہو گیا پڑھے قرآن یا کچھ اور تو چاہیئے کہ امام کے پیچھے سبحانَ ۔ التحیات ۔ درود وغیرہ کچھ نہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے (موجودہ عقلمند وہابی)

جواب ۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی ۔ الزامی جواب تو یہ ہے ۔ کہ اگر ایسے ہی لفظوں کے لغوی معنی کیئے گئے تو آپ کو مصیبت پڑ جاوے گی ۔ آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں ۔ حدیث کے معنی ہیں ۔ بات چیت یا قصہ کہانی ۔ رب فرماتا ہے ۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُوْمِنُوْنَ اور	اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لاؤ گے
فرماتا ہے فَجَعَلْنٰھُمْ اَحَادِیْثَ	ہم نے ان قوموں کو قصے کہانیاں بنا دیا ۔

تو اہل حدیث کے معنی یا تو ہوئے باتیں بنانے والا یا قصے کہانیاں ناول پڑھنے سنانے والا جناب یہاں حدیث کے اصطلاحی معنی مراد ہیں ۔ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ وحی کے لغوی معنی ہیں ۔ اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرماں برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی میں یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں ۔ کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی ختم اور قرآن کے احکام ہی فنا ۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ نماز کے ذکر میں جب بھی لفظ قراءۃ بولا جاتا ہے تو اس سے تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے ۔ ہم کہتے ہیں نماز کے چھ رکن ہیں ۔ تکبیر تحریمہ ۔ قیام ۔ قراءۃ ۔ رکوع ۔ سجدہ ۔ التحیات میں بیٹھنا تو یہاں قیام کے معنی ناچنے کے لیئے کھڑا ہونا ۔ اور قراءۃ کے معنی ناول پڑھنا نہیں ذرا سمجھ سے بات کیا کرو کیا اتنی سمجھ پر حدیث رسول سمجھنے کا دعویٰ ہے ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا کار طفلاں تمام خواہد شد

اعتراض نمبر ۶ ۔ مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ۔

لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اوس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے ۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی ۔ جیسے قیام و رکوع وغیرہ دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے ۔ نمازی اکیلا ہو ۔ یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں ۔

جواب ۔ اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی ۔

لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا۔	اس کی نماز نہیں ہوتی۔ جو سورہ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے۔

اور موطا امام مالک میں یہ ہی حدیث اس طرح ہے۔

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالسُّوْرَةِ	نماز نہیں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور ایک اور سورۃ سے

آپ کو چاہیئے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورۃ ملانا بھی کیا۔ بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا انکار ہے۔

دوسرا جواب الزامی یہ ہے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی مخالف ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ	جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو

پھر سورہ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ الآیۃ	جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔ اور خاموش رہو۔

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قراءۃ مقتدی کی قراءت ہے۔ جب امام قراءۃ کرے تو تم چپ رہو وغیرہ

تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اُسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو و طہارت تکبیر تحریمہ۔ قیام فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔ سورۂ فاتحہ کیسے معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جس سے قرآن و حدیث میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرا نہ جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ لاصلوٰۃ میں لانفی جنس ہے جس کا اسم تو ہے صلوٰۃ جز پوشیدہ ہے یعنی "کامل" مطلب

یہ ہوا کہ نماز بغیر سورہ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قراءۃ بحکم قرآن فرض ہے اور سورہ فاتحہ بحکم حدیث واجب جیسے۔

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ	نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے
لَا صَلٰوۃَ لِجَارِ الْمَسْجِدِ اِلَّا فِی الْمَسْجِدِ	جو مسجد کے قریب رہتا ہو اوس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں

ان دونوں حدیثوں میں لاصلوٰۃ سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر لمن لم یقرأ اقراءۃ حکمی و حقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقۃً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکماً کہ امام کا پڑھنا اوس کا پڑھنا ہے۔ ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیریں ہیں۔ یا یہ حدیث عام ہے۔ اور ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں۔ جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

اعتراض نمبر ۷۔ ترمذی شریف میں حضرت عبادہ ابن صامت سے ایک حدیث مروی ہے۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ اِنِّیْ اَرَاکُمْ تَقْرَؤُنَ وَرَاءَ اِمَامِکُمْ قَالَ قُلْنَا بَلٰی قَالَ لَا تَقْرَؤُا اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ	حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قراءۃ کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا۔ سورۃ فاتحہ کے سواء کچھ نہ پڑھا کرو

اس حدیث میں صراحتہً ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث ابوداؤد۔ نسائی۔ بیہقی میں بھی ہے۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں جناب جب مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورہ فاتحہ پڑھے کیسے مل گئی۔ اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع نقل ہے۔

جس میں حضور نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر۔ علقمہ۔ عبداللہ ابن مسعود۔ زید ابن ثابت۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر حضرت علی وعمر سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ جن میں سے کچھ روائیتیں ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے اور طحاوی شریف صحیح البخاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ کی یہ روایت حدیث واحد ہے اور اُن صحابہ کرام کی وہ روایات حدیث مشاہیر ہیں لہٰذا انہیں ترجیح ہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے خلاف ہے قرآن نے تلاوت قرآن کے وقت خاموشی کا حکم دیا۔ ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تائید کر رہا ہے۔ لہٰذا انہیں ترجیح ہے۔ چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور اُن احادیث میں جو ہم نے پیش کیں۔ اس کی ممانعت ہے نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ بلکہ شیطان اس غیر اللہ کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا۔ مگر دوسری نصوص میں اس سجدے کی ممانعت کی گئی۔ اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے پانچویں یہ کہ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی۔ حدیث مسلم شریف میں موجود۔ نیز امام ترمذی نے اسے نقل کرکے اسے صحیح نہ فرمایا۔ بلکہ حسن کہا۔ اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ ترمذی میں اسی تمہاری حدیث کے ساتھ ہے۔

قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ عُبَادَۃَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَرَوٰی ھٰذَا الْحَدِیْثَ الزُّھْرِیُّ عَنْ مَحْمُوْدِ ابْنِ الرَّبِیْعِ عَنْ عُبَادَۃِ ابْنِ الصَّامِتِ قَالَ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَھٰذَا اَصَحُّ

ابو عیسٰی کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے۔ (صحیح نہیں) یہ ہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت سے روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہ ہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

پتہ لگا کہ زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں۔ جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں۔ بلکہ حسن ہے۔ اور اس کے

خلاف زیادہ صحیح ہے۔ جو الزام حنفیوں پر دیا کرتے ہو۔ وہ خود بھی کر رہے ہو۔

اعتراض نمبر ۸۔ اکثر صحابہ کرام کا عمل یہ ہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے امام ترمذی اس حدیث عبادہ ابن صامت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا الْحَدِیْثِ فِی الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ عِنْدَ اَکْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِیْنَ۔

امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق اکثر صحابہ وتابعین کا اس حدیث عبادہ پر عمل ہے۔

جب اکثر صحابہ کا عمل اس پر ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اضافی نہیں۔ بلکہ حقیقی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم صحابہ نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَکَثِیْرٌ مِّنْهُمْ عَلَی الْهُدٰی۔ وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ

ان میں سے بہت ہدایت پر ہیں۔ اور بہت پر گمراہی ثابت ہو گئی۔

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قراءۃ خلف الامام کے سخت خلاف ہیں۔ حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی (صحیح البخاری) حضرت انس فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جاوے۔ (ابن حبان) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدبو بھر جاوے (ابن حبان حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قراءۃ کرے اس کے منہ میں خاک (طحاوی شریف) حضرت علی مرتضےٰ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ فطرت پر نہیں (طحاوی) حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن جوزی فی العلل) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ کاش اس کے منہ میں پتھر (مؤطا امام محمد وعبدالرزاق) حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس

کے منہ میں انگارے ہوں (مؤطا امام محمد عبد الرزاق)۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔ اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ امام کی قراءت کافی ہے (مؤطا امام محمد یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا۔ ورنہ اسی صحابہ سے منقول ہے۔ کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قراءت سے سخت منع فرماتے تھے۔ دیکھو شامی۔ فتح القدیر وغیرہ اگر بعض روایات میں آجاوے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو یا تو اُن کا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا۔ یا وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔

اعتراض نمبر ۹۔ یہ تمام روایات ضعیف ہیں (وہ ہی پرانا سبق)

جواب:۔ جی ہاں۔ اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ آپ کو ان کے ضعف کا الہام ہوا ہوگا۔ ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز امام صاحب نے جب یہ احادیث لیں۔ اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعف آیا۔ بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں نیز چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ

اعتراض نمبر ۱۰۔ اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہیئے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ اب فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں حارج نہیں۔

جواب:۔ یہ اعتراض جب درست ہوتا۔ جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لئے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سننے کا علیحدہ حکم رب فرماتا ہے۔ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا یہ ایسا ہی ہے جیسے ارشاد باری ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ جیسے زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سننا نہیں۔ جہری نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سننا بھی۔

اعتراض نمبر ۱۱۔ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے۔ جیسے تکبیر تحریمہ

قیام رکوع وغیرہ تو تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی ادا کرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب۔ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز میں مسلمان وفد بن کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمایندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شاہی قیام۔ رکوع۔ سجدہ اور تحیۃ و ثنا سب عرض کریں گے مگر عرض معروض یعنی تلاوت قرآن صرف ان کا نمایندہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی لیئے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲۔ رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیساکہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث میں شریف میں وارد ہے۔

جواب۔ الحمد للہ آپ قریباً حنفی ہو گئے بس یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے آپ نے مان لیا کہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنۡ لَمۡ یَقۡرَاۡءُ والی حدیث اپنے ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی مستثنے ہیں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تھوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ وہ بھی آپ مان جائیں گے۔ یہ جواب الزامی تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدھی رہ جاتی ہے۔ جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے۔ جیسے دائمی جنون اور عورت کی پلیدگی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط و ارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبوریوں میں ان کا بدل کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدل تیمم اور قیام کا بدل قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوئی۔ اگر مقتدی کے لیئے سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لیئے امام کی قراءۃ بدل ہے۔ بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کو سفر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے

عقلی ہے دیکھو اگر نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہہ لے جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر میں شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معاف ہوگئی۔

اعتراض نمبر ۱۳۔ رکوع پانے والے پر اسی رکعت کا قیام معاف ہوگیا۔ جو فرض تھا۔ تو اگر سورہ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔

جواب۔ یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

اعتراض نمبر ۱۴۔ آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الخ مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور سورہ فاتحہ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تو سورۃ فاتحہ پڑھنا اس آیۃ سے کیسے منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیا مقدم آیت مؤخر آیت کی ناسخ ہو سکتی ہے۔ (بعض نئے وہابی)

جواب۔ یہ محض آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ جب سورہ فاتحہ مکی ہے۔ اور نماز بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی۔ تو کیا وجہ ہے کہ سورۃ فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فرضیت طہارت و وضو بھی مدنی ہے۔

پانچواں باب

آمین آہستہ کہنی چاہیئے

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا اور نماز جہری ہو یا سری آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری

فصل ہیں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

آہستہ آمین کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف دلائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ | اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ

آمین بھی دعا ہے۔ لہٰذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیئے۔ رب فرماتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ | اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہو۔ رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا عبث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس لیئے کہ آمین دعا ہے۔

حدیث نمبر ۱ تا ۸۔ بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ | فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لیئے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آمین آج تک نہ سُنی تو چاہیئے کہ ہماری آمین بھی آہستہ ہو تاکہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔ جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں۔ وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں۔ ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۳۔ بخاری۔ شافعی۔ مالک۔ ابو داؤد۔ نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّہٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِکَۃِ غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام کہے۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم کہو۔ آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا۔ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی کے پیچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور فرماتے کہ جب تم ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے۔ ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔ رب فرماتا ہے۔

اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنَاتُ فَامْتَحِنُوْھُنَّ	جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ اِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمین جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہہ لو معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہیئے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہی ہوتی ہے۔ جو آج تک ہم نے نہیں سنی خیال رہے کہ یہاں فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے۔ فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہ ہی ہے۔ جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے۔ کیونکہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اسی وقت آمین کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۸۔ امام احمد۔ ابو داؤد طیالسی۔ ابو یعلی موصلی طبرانی۔ دار قطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے۔

عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ اٰمِيْن وَاَخْفٰى بِهَا صَوْتَهٗ

حضرت وائل ابن حجر نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول اللہ ہے۔ بلند آواز سے کہنا بالکل خلاف سنت ہے،

حدیث نمبر ۱۹ تا ۲۱ - ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاءَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ وَخَفَضَ بِهٖ صَوْتَهٗ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔

حدیث نمبر ۲۲ و ۲۳ - طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا بِاٰمِيْنَ۔

حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کہنی سنت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴ - عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ يُخْفِی الْاِمَامُ اَرْبَعًا اَلتَّعَوُّذَ وَبِسْمِ اللهِ وَاٰمِيْنَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین۔ اور ربنا لک الحمد۔

حدیث نمبر ۲۵ - بیہقی نے حضرت ابو وائل سے روایت کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ يَخْفِى الْاِمَامُ اَرْبَعًا بِسْمِ اللّٰهِ ـ وَاللّٰهُمَّ رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ وَالتَّعَوُّذَ وَالتَّشَهُّدَ

امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ بسم اللہ ۔ ربنالک الحمد ۔ اعوذ اور التحیات ۔

حدیث نمبر ۲۶ ۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ۔

قَالَ اَرْبَعٌ يُخْفِيهِنَّ الْاِمَامُ اَلتَّعَوُّذُ وَبِسْمِ اللّٰهِ ـ وَسُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَاٰمِين رَوَاهُ مُحَمَّدٌ فِى الْاٰثَارِ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ فِىْ مُصَنَّفِهٖ

آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے اعوذ و بسم اللہ ۔ سبحانک اللہم اور آمین یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی ۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے ۔ کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ قرآن نہیں اسی لئے نہ جبریل امین اسے لائے ۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی ۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے تو جیسے کہ ثناء التحیات درود ابراہیمی ۔ دعا ماثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں ۔ ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہیئے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے یہ چیخنا قرآن کے بھی خلاف ہے ۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے ۔ دوسرے اس لئے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف ہوا اور اگر آمین کہے اور چیخے تو آمین درمیان میں آوے گی ۔ قرآن میں غیر قرآن آوے گا ۔ اور درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا ۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں ۔ تفصیل وار مع

جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ آمین دعا نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے۔ رب نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب۔ آمین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ۔

اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

رب نے دونوں کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا

رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو

فرمائیے دعا تو صرف موسٰے علیہ السلام نے مانگی تھی۔ مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ یعنی تمہاری اور حضرت ہارونؑ کی۔ حضرت ہارون نے دعا کب مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسٰے علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آمین کو دعا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے۔ اور دعا آہستہ ہونا چاہیئے۔ یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ترمذی شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ وَقَالَ آمِیْنَ وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا۔ اور آمین فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ اس میں مدّ ارشاد ہوا مدٌّ سے بنا۔ اس کے معنے بلند کرنا نہیں۔ بلکہ آواز کھینچنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ بروزن فالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہٰذا اس میں آپ کی کوئی دلیل

نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔ خیال رہے کہ مد کا مقابل قصر ہے۔ خفاء کا مقابل ہے جہر۔ رفع کا مقابل خفض ہے۔ اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کسی روایت میں نہیں۔ رب فرماتا ہے۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ | بیشک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مدّ

اعتراض نمبر ۳۔ ابوداؤد شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ۔ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فرماتے ولا الضالین تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف بلند فرماتے تھے

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں مدّ ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مدّ کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہ ہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا۔ دوسرے۲ یہ کہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایتوں میں نماز کا ذکر نہیں۔ صرف حضور کی قراءت کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ خارجی قرأت کا ذکر فرمایا ہو۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحتہً ذکر ہے۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے۳ یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی احادیث میں تعارض ہے۔ مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہٰذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہٰذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے۴ یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہری آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہٰذا آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں۵ یہ کہ آمین جہری والی حدیثیں قرآن شریف سے اور ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام ہمیشہ آہستہ آمین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلی

فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حدیثیں منسوخ نہیں تھیں۔ تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

اعتراض نمبر ۴۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ قَالَ اٰمِیْنَ حَتّٰی یَسْمَعَہَا اَھْلُ الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَیَرْتَجُّ بِہَا الْمَسْجِدُ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فرماتے تو آمین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی تھی۔

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج بغیر شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی۔ اوّل عبارت چھوڑ دی۔ وہ یہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ تَرَکَ النَّاسُ التَّامِیْنَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الخ

لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم الخ

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی۔ جس پر سیّدنا ابوہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ تمام احادیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف آپ کے زمانہ میں معمولی چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھا دیں انشاء اللہ چیختے چیختے مر جاویں گے مگر گونج نہ پیدا ہو گی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراض ع ۳ کے ماتحت

عرض کیئے گیئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اگر صحابہ نے اتنی اونچی آمین کہی کہ مسجد گونج گئی تو ان سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی ہوگئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالف قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵۔ بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ اٰمِیْن دُعَاءٌ اَمَّنَ اِبْنُ الزُّبَیْرِ وَمَنْ وَّرَاءَهٗ حَتّٰی اَنَّ الْمَسْجِدِ لَلُجَّةً۔

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔ اور حضرت ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہوگئی۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی چیخ کر کہنا چاہیئے کہ مسجد گونج جاوے۔

جواب۔ اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے۔ کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو دیکھو فصل اول۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز بہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی۔ تاکہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔ تیسرے یہ کہ حدیث عقل و مشاہدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیتہ بھی عقل شرعی اور مشاہدے کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آجاتا ہے۔ آیات صفات کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔ جیسے۔

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ — اُن کے ہاتھوں اللہ کا ہاتھ

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ — تم جدھر پھرو گے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔

خدا کے لیئے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے۔

فَوَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتے دیکھا

سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کیچڑ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہٰذا اس کی تاویل کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور ہے۔ حدیث سمجھنا کچھ اور خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع موجود نہیں۔ جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے۔ نہ ملے گی وہابیوں کو چاہیئے کہ ضد چھوڑیں اور صدق دل سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑیں کہ یہ ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اعتراض نمبر۶ - آہستہ آمین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو وائل ابن حجر کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حَدِيثُ سُفْيَانَ اَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ فِي هٰذَا اِلٰى اَنْ وَقَالَ وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ وَاِنَّمَا هُوَ مَدَّ بِهَا صَوْتَهٗ

آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں خفض یعنی حضور نے پست آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد ہے یعنی آواز کھینچ کر آمین فرمائی۔

جواب - خدا کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابوحنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے سہی کہ ہر جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کے خلاف ہے۔ اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے، آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں

ایک‌ ۱ یہ کہ ہم نے آہستہ آمین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ راوی آرہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے دوسرے ۲ یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں۔ جب بھی

سب مل کر قوی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔
تیسرے یہ کہ شعبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے۔ جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہ ہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔
چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امام اعظم سراج امت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرما لینے سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔
پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے۔ لہٰذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔
چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔
ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرضکہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہیئے۔

اعتراض نمبر ۷۔ ابو داؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قَالَ اٰمِيْن حَتّٰى يَسْمَعُ مَنْ يَّلِيْهِ مِنَ الصَّفِّ الْاَوَّل۔	اس طرح آمین کہتے کہ صف اوّل میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی اسناد میں بشر ابن رافع آ رہا ہے۔ اسے ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظ ذہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایۃ کو موضوع قرار دیا۔ امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا (دیکھو آفتاب محمدی لہٰذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے قابل عمل نہیں)

چھٹا باب

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلد ان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں۔ اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہٰذا ہم اس مسئلے کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۴۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّیْ بِکُمْ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی وَلَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً مَعَ تَکْبِیْرِ الْاِفْتِتَاحِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ حَدِیْثُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَبِہٖ یَقُوْلُ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِیْنَ۔

ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ و علماء تابعین کا عمل ہے۔

خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا۔ کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابوحنیفہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ چھٹے یہ کہ عام امت رسولؐ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ عرض کرینگے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ ابن شیبہ نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهَا حَتّٰى يَفْرَغَ۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء

حدیث نمبر ۶۔ ابوداؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ لَمْ يَرْفَعْهُمَا حَتّٰى انْصَرَفَ	میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۷۔ طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ	وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی

لَا یَعُوْدُ۔ نہ اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۸ تا ۱۴۔ حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُرْفَعُ الْاَیْدِیْ فِیْ سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ وَاِسْتِقْبَالِ الْبَیْتِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ وَالْمَوْقِفَیْنِ وَالْجَمْرَتَیْنِ۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقف منا و مزدلفہ میں اور دونوں جمروں کے سامنے۔

یہ حدیث بزار[۱۰] نے حضرت ابن عمر سے۔ ابن ابی شیبہ[۱۱] نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیہقی نے حضرت[۱۲] ابن عباس سے طبرانی[۱۳] نے اور بخاری[۱۴] نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

اِنْ کَانَ وَائِلٌ رَاٰہُ مَرَّۃً یَفْعَلُ ذَالِکَ فَقَدْ رَاٰہُ عَبْدُ اللّٰہِ خَمْسِیْنَ مَرَّۃً لَا یَفْعَلُ ذَالِکَ	اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو پچاس دفع رفع یدین نہ کرتے دیکھا

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔ حضور کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب وہ کھڑتے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۶ و ۱۷۔ طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ	کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ

يَكُنْ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ	عنہا کے پیچھے نماز پڑھی ۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے ۔

حدیث نمبر ۱۸ ۔ عینی شرح بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی ۔

اَنَّهٗ رَاٰى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلٰوةِ عِنْدَ الرُّكُوْعِ وَعِنْدَ رَفْعِ رَاْسِهٖ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ لَهٗ لَا تَفْعَلْ فَاِنَّهٗ شَيْءٌ فَعَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهٗ ۔	کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے ۔ جن صحابہ سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہوگیا ۔

حدیث نمبر ۱۹ و ۲۰ ۔ بیہقی وطحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ۔

اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ فِيْ شَيْءٍ مِنْهَا ۔	کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اُٹھاتے تھے ۔

حدیث نمبر ۲۱ ۔ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ۔

قَالَ رَاَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ وَقَالَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ۔	میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اُٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے

حدیث نمبر ۲۲ ۔ ابوداؤد شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی ۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ اِسْنَادَهٗ بِهٰذَا ۔ قَالَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَّاحِدَةً ۔	حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے

حدیث نمبر ۲۳۔ دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَ افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی حَاذٰی بِهِمَا اُذُنَیْهِ ثُمَّ لَمْ یَعُدْ اِلٰی شَیْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ حَتّٰی فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ

کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب کہ حضور نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۲۴۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کی۔

اَنَّهٗ قَالَ لَا تَرْفَعِ الْاَیْدِیَ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ صَلٰوتِكَ بَعْدَ الْمَرَّةِ الْاُوْلٰی

آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

حدیث نمبر ۲۵۔ ابوداؤد نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ رَفَعَ یَدَیْهِ اِلٰی قَرِیْبٍ مِّنْ اُذُنَیْهِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ۔

بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابومحمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کی مکہ معظمہ کے دار الحناطین میں ملاقات ہو گئی

تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی۔ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابوحنیفہ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی۔ آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حَدَّثَنِیْ الزُّھْرِیُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَعِنْدَ الرُّکُوْعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ مِنْہُ

مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

امام اعظم۔ میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے

امام اوزاعی:۔ اچھا فوراً پیش فرمایئے

امام اعظم۔ لیجئے سنیئے۔

حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاھِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ وَالْاَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَرْفَعُ یَدَیْہِ اِلَّا عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَا یَعُوْدُ لِشَیْءٍ مِنْ ذَالِکَ۔

ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی۔ آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم :۔ اس لئے کہ حماد۔ زہری سے زیادہ عالم فقیہہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم

سے بڑھ کر عالم و فقیہہ ہیں۔ علقمہ۔ سالم کے والد عبد اللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہہ و افضل ہیں۔ عبد اللہ ابن مسعود فقہ ہیں۔ قراۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہٰذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی :۔ خاموش

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ لمبی لمبی اسنادیں۔ اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل۔ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیئے کہ رکوع کی تکبیر تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع و سجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو جب رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوئی۔ نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہیئے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے (از طحاوی شریف)

خلاصہ۔ یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصًا خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیساکہ حدیث ۱۸ میں صراحۃً مذکور ہے یا وہ سب مرجوح اور ناقابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔

یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون واطمینان چاہیئے۔ بلاوجہ حرکت وجنبش مکروہ اور سنّت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلاضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلاضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہٰذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے

اعتراض نمبر ۱۔ رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی (وہ ہی پرانا سبق)

جواب۔ جی ہاں۔ صرف اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں۔ آپ کے سر وآنکھوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنادیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑ دو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بابوں میں عرض کر چکے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ابوداؤد کی براء ابن عازب والی حدیث کے متعلق خود ابوداؤد نے فرمایا۔

هٰذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ	یہ حدیث صحیح نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آپ نے اسے پیش کیوں فرمایا۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہ۔ حسن لغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابوداؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔ دوسرے یہ کہ ابوداؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی۔ کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے۔ جرح مبہم معتبر نہیں۔ ہم ابوداؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ ابوداؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جن کو آخر عمر میں بھول کی بیماری ہو گئی تھی۔ انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔ ثُمَّ لا یعود ورنہ اصل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیجئے جرح مفصل حاضر ہے۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے۔ جو قابل عمل نہیں۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابوداؤد کی اس روایت میں ہیں۔ مگر امام صاحب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابوداؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابوحنیفہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابوداؤد کا ضعف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیئے مضر کیوں ہو گا۔ دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابوداؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں چوتھے یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں۔ تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ سوا مٹھی بھر وہابیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے فی صدی مسلمانان حنفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذاہب

اس اندازہ کی صحت حرمین طیبین جاکر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بیچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں۔ یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار فرماتے ہیں۔

مَارَاٰہُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ۔ | جسے عامۃ المومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ | میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائیگا۔

خیال رہے کہ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد سب کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اعمال میں جداگانہ لہٰذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۴۔ تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ۱ جو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا۔ صرف یہ فرمایا گیا۔ کہ ابن مسعود نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث ناقابل عمل ہوتی ہے (ڈیرہ غازی خاں کے ایک لائق وہابی)

جواب۔ جناب یہ حدیث مجمل نہیں۔ مطلق نہیں۔ عام نہیں۔ مشترک لفظی۔ یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان متکلم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل بیان متکلم کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان۔ دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق۔ عام۔ مجمل۔ مشترک معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق بتائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں۔ مگر قرآن و حدیث کی روشنی میں اصول فقہ، منطق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو! تم حدیث کے غلط ترجمے کیئے جاؤ، تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق

کسی حنفی عالم سے مجمل کا لفظ سن لیا ہوگا۔ تو دھونس جمانے کے لیئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالےٰ نے علوم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہائے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ دارمی ابن ماجہ نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی۔ جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ یُکَبِّرُ وَیَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِہِمَا مَنْکِبَیْہِ ثُمَّ یَرْکَعُ وَیَضَعُ رَاحَتَیْہِ عَلٰی رُکْبَتَیْہِ۔ ثُمَّ یَرْفَعُ رَاْسَہٗ فَیَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ ثُمَّ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِہِمَا مَنْکِبَیْہِ الخ

پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اتنے اٹھاتے کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔

ابو حمید ساعدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی۔ جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہٰذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیئے (نوٹ یہ حدیث وہابی غیر مقلدوں کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناز ہے)۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابو داؤد وغیرہ میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیٰ۔ وَھٰذَا حَدِیْثُ اَحْمَدَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِیْدِ یَعْنِیْ اِبْنَ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ ابْنُ عَمْرٍو ابْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا حُمَیْدِ السَّاعِدِیَّ فِیْ عَشَرَۃٍ الخ

ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحیٰ نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں عبد الحمید ابن جعفر نے وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ابن ابن عمرو ابن عطاء نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حمید ساعدی سے دس صحابہ کی جماعت میں سنا۔

ان میں سے عبد الحمید ابن جعفر سخت مجروح و ضعیف ہیں۔ دیکھو طحاوی۔ دوسرے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے ابو حمید ساعدی سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہٰذا

یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجہول ہے (طحاوی) ان دو نقصوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لیئے آپ کو مقبول ہے۔ کچھ تو شرم کرو۔

دوسرے[۲] یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ۔

پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا

فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے[۳] یہ کہ جب ابو حمید ساعدی نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو ابوداؤد میں ہے۔

قَالُوْا فَلِمَا فَوَاللّٰهِ مَا كُنْتَ بِاَكْثَرِنَا لَهٗ تَبْعَةً وَّاَقْدَمَنَا لَهٗ صُحْبَةً قَالَ بَلٰى۔

انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور کی نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کے ساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابو حمید بولے بیشک ایسا ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابو حمید نہ تو صحابہ میں فقیہہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسّر ہوئی اور سیّدنا عبداللہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں۔ جو حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایتہ کرتے ہیں۔ تو یقیناً ابو حمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم ہے لہٰذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل عمل ہے۔

چوتھے[۴] یہ کہ ابو حمید ساعدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے۔ مگر کب تک اس سے خاموشی ہے۔ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہٰذا یہ اُس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے۔ اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں[۵] یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق لہٰذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب الترک کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ | آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے کھانا ملاحظہ فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے[۶] یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں[۷] یہ کہ ابو حمید ساعدی کی اس روایت میں عبد الحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماردی نے جوہر نقی میں فرمایا کہ عبد الحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماردی وہ ہیں۔ جنہیں یحییٰ ابن سعید فرماتے ہیں۔ هُوَ اِمَامُ النَّاسِ فِيْ هٰذَا الْبَابِ۔ حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمرو ایسا جھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے اُن سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اول درجہ کی مدلس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطاف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہٰذا یہ حدیث مجہول بھی ہے غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے۔ مضطرب بھی مدلس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابو داؤد یہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں[۸] یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے۔ مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں

نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صفۃ الصلوٰۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہرحال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔

حنفی بھائیو! رفع یدین غیر مقلد وہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید ساعدی مایہ ناز دلیل ہے جو وہابیوں کے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ انکی لن ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرخچے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال رہے کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیونکہ انکے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہو گئی تو سمجھو کہ انکے مذہب کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سواء ان اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیر ہے۔ بے مرشد ہے بے نور ہے اس آیت کے مصداق ہیں۔ رب فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا — جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر مرشد۔

نیز رب فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَلْعَنْهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا — جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہیہ کا دارومدار ان اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام الآئمہ کاشف الغمہ سراج امہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چراغ ہے امام بخاری و عام محدثین کے استادوں کا استاد ہے۔ جس کے زیر دامن ہزارہا اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ موجود ہے۔ ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں۔ امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں۔ جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال:۔ دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود

براہ راست یہ حدیث سُنی تھی بیدھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آجائیں۔ اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہو جاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا۔ لیکن اُن کے کانوں نے بولتے ہوئے قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اُس حکم سے انبیاء کرام مستثنےٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدح سے پاک ہے۔ ایسے ہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح و قدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے لہٰذا وہابیوں کے لیئے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر ان جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعتراض نمبر۶۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ وَاِذَا کَبَّرَ لِلرُّکُوْعِ اِذَا رَفَعَ رَاسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ رَفَعَھُمَا کَذٰلِکَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ وَکَانَ لَا یَفْعَلُ ذٰلِکَ فِی السُّجُوْدِ۔

بیشک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف کاندھوں تک اُٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لیئے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔ تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے اور فرماتے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں رفع یدین کرتے تھے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانچہ دارقطنی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ اَبِىْ بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرْفَعُوْا اَيْدِيَهُمْ اِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى فِى اِفْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے

فرمائیے جناب۔ اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ جیساکہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دکھا چکے کہ حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا نسخ ثابت کیا۔ چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیساکہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابوقلابہ ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی ناجبی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکا رافضی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجیہ مذہب کا تھا۔ غرضیکہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۔ بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ

حضرت عبداللہ ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ | اس فعل کو آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف مرفوع کرتے تھے

دیکھو سیدنا عبداللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اُٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو۔ دو رکعتوں سے اُٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ نسخ کی خبر سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے۔ لہٰذا دونوں حدیثیں جمع ہوگئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فَقَدْ یَجُوْزُ اَنْ یَکُوْنَ ابْنُ عُمَرَ فَعَلَ مَارَاٰہُ طَاؤسُ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ الْحُجَّۃُ عِنْدَہٗ بِنَسْخِہٖ ثُمَّ قَامَتِ الْحُجَّۃُ عِنْدَہٗ بِنَسْخِہٖ وَتَرَکَہٗ وَفَعَلَ مَا ذَکَرَہٗ عَنْہُ مُجَاھِدٌ

جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طاؤس نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا عبداللہ ابن عمر کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہوگئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا (رفع یدین نہ کرنا)

بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑتی ہے۔ کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتراض نمبر ۸۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَفَعَ یَدَیْہِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَیْنَ کَفَّیْہِ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب ۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ حضرت وائل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانیکی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود ہمیشہ حضور کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑے عالم و فقیہہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر حضور کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود صفِ اوّل میں خاص حضور کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

لِيَلِيَنِيْ مِنْكُمْ اُولُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى | تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم و عقل والا ہو

چنانچہ مسند امام اعظم میں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا۔ جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے۔ تو حضرت ابراہیم نخعی نے نفیس جواب دیا۔

فَقَالَ اِعْرَابِيٌّ لَا يَعْرِفُ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ وَلَمْ يُصَلِّ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا صَلٰوةً وَاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِيْ مَنْ لَا اُحْصِيْ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ بَدْءِ الصَّلٰوةِ فَقَطْ وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ اللّٰهِ عَالِمٌ بِشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ وَحُدُوْدِهٖ مُتَفَقِّدٌ اَحْوَالَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَازِمٌ لَهٗ فِيْ اِقَامَتِهٖ وَاَسْفَارِهٖ وَقَدْ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يُحْصٰى۔

آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداءِ نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی احکام اسلام سے خبردار حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے۔ حضور کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔

خلاصہ یہ کہ عالم و فقیہہ اور حضور کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی

ہے لہٰذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرما دیا۔

اعتراض نمبر ۹۔ اگر تکبیر تحریمہ کے سواء رفع یدین نہ کرنا چاہیئے۔ تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ڈیرہ غازی خانی وہابی)

جواب۔ اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ اٹکل پچو بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو امر رفع یدین میں ہے۔ جیسے آپ سنّت نماز یا سُنّت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنّت رکوع نہیں۔ بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی ہی لیئے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز عید میں خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اسے رہا ہو ہر رکوع پر تین دفع رفع یدین کیا کرو اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔

اعتراض نمبر ۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۂ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل نحر کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ اس نحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ

اِذَا تَحَرَّمْتَ لِلصَّلٰوۃِ اَنْ تَرْفَعَ یَدَیْكَ اِذَا كَبَّرْتَ وَاِذَا رَكَعْتَ وَاِذَا رَفَعْتَ رَاسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَاِنَّهَا صَلٰوتُنَا وَصَلٰوۃُ الْمَلٰئِكَةِ الَّذِیْنَ فِی السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ۔	جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہیں تو اپنے ہاتھ اٹھائیں اور جب رکوع کریں اور جب اپنا سر اٹھائیں کیونکہ یہ ہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں ہے

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا۔

لہذا رفع یدین ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔
یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور کے بھی مخالف
ہیں صحابہ کرام کے بھی اور فرشتوں کے بھی۔ فرش و عرش پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابو حنیفہ
کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

نوٹ ضروری۔ ڈیرہ غازی خاں کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق
ایک ٹریکیٹ مفت تقسیم ہوا مجھے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب و لہجہ میں
مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب۔ وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہم نوا نے جھوٹی حدیث گڑھ تو لی۔ مگر گڑھنا نہ آئی جھوٹ
بولنے کے لیئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب،
کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لیئے اسناد پہ بحث نہیں کی جاسکتی اور
نہیں جاسکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے۔ البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے انحر کے معنی کیئے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت
کی کون سی کتاب سے ثابت ہیں۔ نحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی
ایک لفظ نحر میں کس نے بھر دی۔ کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو
نحر کے معنی یہ بتا گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اے جبریل نحر
کے یہ انوکھے معنی کہاں سے لیئے گئے۔ اور کیسے لیئے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن و حدیث
کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوٰۃ کے معنی روٹی کھانا۔ زکوٰۃ کے
معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہننا۔ صوم کے معنی چارپائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دوکانداری کرنا
کر لو۔ چلو اسلام کے پانچوں ارکان ختم۔ ذرا شرم کرو اپنے نامہذب مذہب کو بنانے کے لیئے
کیوں ایسی حدیثیں گھڑتے ہو۔

دوسرے[۲] یہ کہ یہاں نحر صلوٰۃ پر معطوف ہے۔ اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر
ہوتا ہے۔ تو چاہیئے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا جزء ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر

تیسرے[۳] یہ کہ جب وانحر کے معنی ہوئے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے

حکم کے ساتھ مذکور ہوا تو چاہیئے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے سارے منکر کافر ہوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنّت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنسیں تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کرنا بھی جس پر چاہو عمل کرلو بتاؤ اوس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

چوتھے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کہا۔ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔ فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کا انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعًا جائز ہے یا ناجائز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابو بکر صدیق۔ عمر فاروق۔ علی مرتضٰے۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن مسعود۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ بلکہ سیّدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضۂ قرآنی جو نماز کی طرح فرض ہو ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ڈیرہ غازی خاں کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ حیرت در حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المومنین مولاء کائنات علی مرتضٰے رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے وانحر کے معنی پوچھے اور پھر خود اوس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے چاہیئے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے منکروں پر فرمایا۔ ملاّجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ سمجھ لینی چاہیئے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم

کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لیئے ایسی بے تکی حدیثیں گھڑلینے میں خوفِ خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے معنی ہیں۔ حدیث بنانے والے۔ حدیث ڈھالنے والے۔

اعتراض نمبر ۱۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔

اِذَا ثَبَتَ حَدِیْثٌ فَھُوَ مَذْھَبِیْ۔ | جب کوئی حدیث ثابت ہوجاوے۔ تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔

چونکہ رفع یدین قراءت خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ رح کا قول حدیث کے خلاف ہے۔ اس لیئے ہم نے ان کا قول دیوار سے ماردیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کرکے حدیث پر عمل کرنا یہ ہی حنفیت ہے (عام وہابی)

جواب۔ جی ہاں اور خاص کر جبکہ حدیث کے محقق آپ جیسے محققین (حقہ پینے والے) ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری کو بکھاری۔ مسلم کو مسلّم حدیث کو حدیث فرمائیں۔ جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ کھلی اجازت نہیں دی۔ امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے

اِذَا ثَبَتَ حَدِیْثٌ فَھُوَ مَذْھَبِیْ | جب حدیث ثابت ہوگئی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے

یعنی اے مسلمانوں ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی۔ اور اس کے ہر پہلو پر ہر طرح غور وخوض و بحث تمحیص کی۔ اسناد اور متن پر خوب گرماگرم جرح وقدح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔ یہ مذہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے۔ لہٰذا تم خود حدیث کے سمندر میں نہ کودنا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سمندر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف غواص کا کام ہے۔ اگر پنساری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہوجاوے گا۔ حکیم کی تجویز سے استعمال کرو۔ قرآن حدیث روحانی دواؤں کا دواخانہ ہے۔ امام اعظم طبیب اعظم ہیں۔ قرآن وحدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو۔ دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین ومسائل بغیر سوچے سمجھے اٹکل پچّو بیان کردیئے ہیں۔ اے ناسمجھ نادانوں تم حدیث کے غلط سلط ترجمے کرتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طبیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچے

سمجھے ایک بیمار کے لیئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابوحنیفہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن وحدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لیئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

ساتواں باب

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع یعنے جفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے۔ جو بعد نماز عشاء خواہ تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضا لازم۔ اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر مؤکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے وجوب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

وتر واجب ہیں

حدیث نمبر ۱ تا ۳۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوایوب سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔

حدیث نمبر ۴۔ بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ	حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔

حدیث نمبر ۵ و ۶۔ ابو داؤد و حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا۔	میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں۔ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

حدیث نمبر ۷۔ عبداللہ ابن احمد نے عبدالرحمٰن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سستی کرتے ہیں۔ تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضؓ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

فَقَالَ مُعَاوِیَۃُ اَوَاجِبٌ ذٰلِکَ عَلَیْھِمْ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ زَادَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ صَلٰوۃً ھِیَ الْوِتْرُ فِیْمَا بَیْنَ الْعِشَاءِ اِلٰی طُلُوْعِ الْفَجْرِ	تو امیر معاویہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاذ ابن جبل نے فرمایا ہاں۔ میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔

حدیث نمبر ۸۔ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مرسلاً روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِہٖ فَلْیُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ	جو وتر چھوڑ کر سو جائے۔ وہ صبح کے وقت اس کی قضا پڑھ لے۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۴۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابوایوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط شیخین پر ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	حضور نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب

وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ　　ہے۔ ہر مسلمان پر۔

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۳ روایتیں پیش کیں۔

وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۱ تا ۴۔ نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے صغیر میں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی

قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ بِثَلٰثٍ لَا یُسَلِّمُ اِلَّا فِیْ اٰخِرِھِنَّ　　فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں۔

حدیث نمبر ۵ و ۶۔ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِتْرُ اللَّیْلِ ثَلٰثٌ کَوِتْرِ النَّھَارِ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ　　فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں۔ جیسے دن کے وتر نماز مغرب

حدیث نمبر ۷۔ طحاوی شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُوْتِرُ بِثَلٰثِ رَکَعَاتٍ۔　　بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔

حدیث نمبر ۸۔ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ پھر دو رکعتیں نفل پڑھیں۔

ثُمَّ عَادَ فَنَامَ حَتّٰی سَمِعْتُ نَفْخَہٗ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّاءَ اِسْتَاکَ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ وَاسْتَاکَ وَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَوْتَرَ بِثَلٰثٍ۔　　پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر اٹھے اور وضو مع مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۳۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فِي رَكْعَةٍ رَكْعَةٍ۔

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربک الاعلےٰ۔ اور قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۸۔ ترمذی شریف۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالعزیز بن ابن جریج۔ عبدالرحمٰن ابن ابزی سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِاَيِّ شَيْئٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ

فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلےٰ دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری میں قل ہو اللہ اور فلق و ناس۔

حدیث نمبر ۱۹۔ نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَءُ فِي الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِي آخِرِهِنَّ۔

بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربک الاعلےٰ اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ہو اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اور سلام نہ پھیرتے تھے۔ مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۲۰۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى الْوِتْرِ ثَلٰثٌ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِي اٰخِرِهِنَّ۔

اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔ مگر ان کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو خالد سے روایت کی۔

قَالَ سَالْتُ اَبَا الْعَالِيَةِ عَنِ الْوِتْرِ فَقَالَ عَلَّمَنَا اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْوِتْرَ مِثْلُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ هٰذَا وِتْرُ اللَّيْلِ وَهٰذَا وِتْرُ النَّهَارِ

میں نے حضرت ابو العالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ ہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔ یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب دن کے وتر

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمائیے ان احادیث سے یہ پتہ لگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ ہی عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس لیئے ہوائے نفس والوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھ کر سو رہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تیسری میں فلاں وہابی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاوینگی۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔ بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے۔ لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہ ہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جداگانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو زکوٰۃ حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہیئے تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں۔ فرض تو کیا کوئی نفل و سنت مؤکدہ و سنّت غیر مؤکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت ہے۔ جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر۔ عصر۔ عشا یا تین رکعت جیسے مغرب وتر نہ تو چار رکعت ہو سکتی ہیں۔ نہ دو کہ یہ عدد شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لامحالہ تین ہی رکعت چاہیئے۔ ایک رکعت نماز اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی۔ ایک رکعت ناکمل ہے ناقص

ہے۔ بہتر اسی ہے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا اجماع صحابہ کرام کا عمل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

دوسری فصل

اس پر اعتراضات و جوابات

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبر وار مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ا۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُوتِرُ بِوَاحِدَۃٍ ثُمَّ یَرْکَعُ رَکعتین الخ

فرماتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر دو نفل پڑھتے تھے

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہئیے۔ حضور نے یہ ہی پڑھی ہے۔

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہو گئی۔ جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہو گئیں۔ حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہئیے۔ جس سے احادیث متفق ہو جاویں۔ اس حدیث شریف میں ب استعانتہ کی ہے۔ جیسے کَتَبْتُ بِالْقَلَمِ میں نے قلم سے لکھا کیونکہ اوتر باب افعال متعدی بنفسہ ہے تو حدیث کے معنے یہ ہوئے کہ حضور نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق بن گیا۔

مثلاً آٹھ رکعت تہجد ادا فرمائی یہ عدد جفت تھا پھر تین رکعتہ وتر پڑھی تو وتر کی تیسری رکعتہ کے سبب کل رکعتیں گیارہ ہو گئیں۔ جو طاق ہیں اس تمام نماز کو طاق بنانے والی وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔ جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کے موافق ہو گئی۔ میں غیر مقلدوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر تمہارے معنی کیئے جاویں تو اُن احادیث کا کیا جواب دو گے جن میں صراحتہً تین کا عدد مذکور ہے۔ یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے دوسری رکعت میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ اللَّیْلِ مَثْنٰی مَثْنٰی فَاِذَا خَشِیَ اَحَدُکُمُ الصُّبْحَ صَلّٰی رَکْعَۃً وَّاحِدَۃً تُوْتِرُ لَہٗ مَاقَدْ صَلّٰی۔

فرماتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہو جانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے یہ رکعت گزشتہ نماز کو وتر بنا دے گی۔

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہیئے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو۔ صبح سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہے چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔ حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں۔ چوتھے کے انکاری ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں۔ تو چاروں نہ مانیں۔

جواب۔ غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔ کہ جب صبح کا خوف ہو تو اکیلی ایک رکعت علیحدہ طور پر پڑھ لے۔ اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہو گئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہو گیا۔ حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔ کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے۔ جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی رکعۃً واحدۃً کے بعد مع الرکعتین پوشیدہ ہے۔ کیونکہ پہلے مثنیٰ مثنیٰ کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو گیا۔ جیسے کہ رب فرماتا ہے۔

وَلَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔

اصحاف کہف اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تو بڑھائیے۔

اس آیۃ میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو نو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سو سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لیئے رب تعالےٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت علیحدہ اُن دو سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری مثنیٰ یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دو۲ دو۲ رکعتیں۔ تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لیئے اس اعلم الاولین والآخرین افصح الخلق صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ کہو وہابی جی حدیثوں کو لڑانا اچھا۔ یا احادیث میں موافقت پیدا کر کے سب پر عمل کرنا

بہتر۔ کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعتراض نمبر ۳۔ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ	وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا۔ کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ اکیلی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے مخالف ہوگی، اور احادیث کا جمع ناممکن ہوگا۔ حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ دو کے ساتھ۔ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔ یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی۔ پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز جفت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں بن گئیں۔ اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہو گئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ ابوداؤد نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ فَاَوْتِرُوْا يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ	فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ وتر (بے جوڑ) ہے وتر کو پسند فرماتا ہے۔ پس وتر پڑھا کرو اے قرآن ماننے والو۔

حنفی بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہیئے نہ کہ تین حضور نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہیئے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ کہ تین۔ کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں۔ اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور

اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں۔ اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا۔ کہ حضور نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے۔ دیکھو پہلی فصل۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں ادنےٰ مناسبت کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا ضروری نہیں اس لئے حضورؐ نے وتر فرمایا وَاحِدٌ نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے۔

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ	اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جسمیں چراغ ہے۔

یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل بتی ہوتی ہے تو چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے نور میں بھی روغن و بتی ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں۔ فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں۔ کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اعتراض نمبر ۵۔ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔

اَوْتَرَ مُعَاوِیَۃُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَکْعَۃٍ وَعِنْدَہٗ مَوْلیٰ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتیٰ اِبْنَ عَبَّاسٍ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ دَعْہُ فَاِنَّہٗ قَدْ صَحِبَ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی۔ اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حاضر تھے انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب۔ یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو نرالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم

ہوا۔ کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہد فقیہہ صحابی ہیں۔ فقیہہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں۔ اس کا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَهُ هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ

حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المومنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیہہ ہیں۔

صاف معلوم ہوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبداللہ ابن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس ہی لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں۔ عالم ہیں مجتہد ہیں اور مجتہد فقیہہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے

اعتراض نمبر ۶۔ حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو اعتراض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آمین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری سی نماز پڑھیں۔ تو نہ انہیں وہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دو رخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ (عام وہابی)

جواب۔ جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقیہہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے۔ مگر جاہل جب دیدہ دانستہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا مستحق ہے اگر سول سرجن سند یافتہ ملازم سرکار کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن اگر کوئی جاہل آدمی یوں ہی اٹکل پچو کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ جج۔ حاکم کسی ملزم کو سزا دے حق ہے اگرچہ غلطی کرے مگر جو ایرے غیرے قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں یقیناً علی مرتضےٰ برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گنہگار کوئی نہیں۔ جس کو بھی برا کہا جاوے تو برا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں

کا ذکر فرمایا۔

اِذْ یَحْکُمَانِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَکُنَّا لِحُکْمِهِمْ شَاهِدِیْنَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَیْمَانَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّعِلْمًا

جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قوم کی بکریاں پھیل گئیں۔ ہم انکا فیصلہ مشاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان کو وہ سمجھا دیا۔ اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت و علم بخشا۔

دیکھو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیحدہ علیحدہ فیصلہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا۔ جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطاء اجتہادی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں۔ کیوں اس لیئے کہ آپ مجتہد مطلق تھے اور مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں۔ وہابیو اگر تم بھی رفع یدین یا اونچی آمین۔ شافعی بن کر کرو تو تمہیں وہابی نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود بے علم ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔

اعتراض نمبر ۷۔ تین رکعت وتر کی جتنی حدیثیں ہیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثیں حجت نہیں۔

جواب۔ جی ہاں اس لیئے ضعیف ہیں۔ کہ آپ کے خلاف ہیں۔ یا اس لیئے کہ ساری حدیثیں ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساٹھ برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم اس کتاب میں بارہا دے چکے ہیں۔

آٹھواں باب

قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر

کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنّت ہے مگر غیر مقلد وہابیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی بھی جو در اصل در پردہ غیر مقلد ہیں۔ بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لیئے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعاء حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روز یہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیۃ قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی نہ پڑھی دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ و ۲۔ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احول کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا اِنَّہٗ کَانَ بَعَثَ اُنَاسًا یُقَالُ لَھُمُ الْقُرَّاءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِیْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ شَھْرًا یَدْعُوْ عَلَیْھِمْ۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لیئے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بد دعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ غدر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا یَدْعُوْ عَلٰی رِعْلٍ وَّذَکْوَانَ فَلَمَّا ظَھَرَ عَلَیْھِمْ تَرَکَ الْقُنُوْتَ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قبیلہ رعل و ذکوان پر بددعا فرمائی جب حضور ان پر غالب آگئے تو چھوڑ دی۔

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحتہً ذکر آگیا۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷۔ ابویعلی موصلی۔ ابوبکر بزار طبرانی نے کبیر میں بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَھْرًا یَدْعُوْا عَلٰی عُصَیَّۃَ وَذَکْوَانَ شَھْرًا فَلَمَّا ظَھَرَ عَلَیْھِمْ تَرَکَ الْقُنُوْتَ وَقَالَ الْبَزَّارُ فِیْ رِوَایَتِہٖ لَمْ یَقْنُتِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا شَھْرًا وَّاحِدًا لَمْ یَقْنُتْ قَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی جس میں قبیلہ عصیہ و ذکوان پر بددعا فرمائی جب ان پر غالب آگئے تو چھوڑ دی بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔

حدیث نمبر ۸ و ۹۔ ابوداؤد و نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَھْرًا ثُمَّ تَرَکَہٗ

یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابومالک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ یَا اَبَتِ اِنَّکَ قَدْ صَلَّیْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ ھٰھُنَا بِالْکُوْفَۃِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِیْنَ کَانُوْا یَقْنُتُوْنَ قَالَ یَا بُنَیَّ مُحْدَثٌ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابا جان آپ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی۔ کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بچے یہ بدعت ہے،

یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے

حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث

نقل کی جس میں آخری الفاظ یہ ہیں

وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰوتِهِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْ فُلَانًا وَّفُلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدایا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ولیس لک الخ

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعاء قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف آیۃ قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت۔ تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بد دعا یا لعنت کرنا جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا فرمائی وہ حضورؐ کی ذات شریف کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں، تو بد دعا بھی کر سکتے ہیں۔ ہاں حضورؐ نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافیاں دی ہیں۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۔ حافظ طلحہ ابن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی۔

عَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ عَنْ اَبَانِ ابْنِ عَيَّاشٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ يَقْنُتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَجْرِ اِلَّا شَهْرًا وَّاحِدًا لِاَنَّهٗ حَارَبَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَنَتَ يَدْعُوْا عَلَيْهِمْ۔

امام اعظم ابو حنیفہ حضرت ابن عیاش سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور نے نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک ماہ بد دعا فرمائی تھی۔

حدیث نمبر ۱۶ و ۱۷۔ حافظ ابن خسرو نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن حسن اشنانی نے حضرت امام ابو حنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا قَنَتَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَلَا عُثْمَانُ وَلَا عَلِيٌّ حَتّٰى حَارَبَ اَهْلَ الشَّامِ فَكَانَ يَقْنُتُ۔

نہ حضرت ابو بکر و عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی مرتضیٰ نے قنوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔

حدیث نمبر ۱۸۔ ابو محمد بخاری نے امام اعظم ابو حنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری صحابی سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ لَمْ یَقْنُتْ اِلَّا اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا یَدْعُوْا عَلٰی عُصَیَّۃَ وَذَکْوَانَ ثُمَّ لَمْ یَقْنُتْ اِلٰی اَنْ مَّاتَ

انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ کہ حضور نے چالیس دن کے سواء قنوت نازلہ نہ پڑھی۔ ان چالیس دن میں آپ نے عصیہ ذکوان پر بددعا فرمائی پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازلہ نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی شریف۔ صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ قنوت نازلہ نماز میں نہ پڑھی جاوے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ پنجگانہ فرائض کی رکعتیں مختلف ہیں۔ فجر کی دو۔ عصر۔ عشا کی چار۔ مغرب کی تین۔ مگر کوئی فرض نماز ارکان نماز یا دعا وغیرہ میں دوسری نماز سے مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں۔ تو جب چار نمازوں میں قنوت نازلہ نہیں چاہیئے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ با جماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں نوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اُٹھتے وقت اکیلا نمازی سمع اللہ لمن حمدہ بھی کہتا ہے اور ربنا لک الحمد بھی۔ مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے۔ تو امام ربنا لک الحمد نہیں کہتا صرف سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد تو کہتا ہے مگر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعاء قنوت نازلہ پڑھنا مقصد شرع کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصًا فرائض پنجگانہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد فورًا سجدہ اور سجدہ کے بعد فورًا قیام یا جلسہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرع کے خلاف ہے رکوع فجر کے بعد جو قومہ ہے۔ اس میں صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بقدر ٹھہرنا چاہیئے۔ اگر اس میں قنوت نازلہ پڑھی گئی تو سجدہ میں جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے۔ دیر لگے گی تاخیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عمدًا ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہٰذا اندرون نماز قنوت نازلہ نہ پڑھنا چاہیئے تاکہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی۔ مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقعہ پر بہتر یہ ہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات وجنگوں کے موقعہ پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھے تو اگرچہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔ فجر کے سواء کسی اور نماز میں پڑھے گا۔ تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا وجہ عمداً سجدہ میں تاخیر کر دی تاخیر فرض مفسد نماز ہے۔

ایک شبہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر۔ مغرب عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قَنَتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَھْرِ وَھُوَ قَوْلُ الثَّوْرِیْ وَاَحْمَدُ	اس موقعہ پر امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے امام ثوری واحمد کا یہ ہی قول ہے۔

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب وعشاء فجر بلکہ نمازیں قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ۔ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی ف کو جیم بنا دیا۔ چنانچہ اشباہ والنظائر میں اس جگہ بجائے صلوٰۃ الجہر کے صلوٰۃ الفجر ہے اور طحطاوی علی در المختار اور علامہ ابن عابدین شامی نے منحۃ الخالق علی بحر الرائق میں فرمایا۔

وَلَعَلَّهٗ مُحَرَّفٌ عَنِ الْفَجْرِ	شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن گیا ہے

طحطاوی کی عبارت یوں ہے

وَالَّذِیْ یَظْھَرُ لِیْ اَنَّ قَوْلَہٗ فِی الْبَحْرِ وَاِنْ نَزَلَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ نَازِلَۃٌ قَنَتَ الْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْجَھْرِ تَحْرِیْفٌ مِّنَ النَّاسِخِ وَصَوَابُہٗ اَلْفَجْرُ۔	بحر الرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق

کرنا ہو تو۔ ہمارا فتاویٰ نعیمیہ ملاحظہ فرماویں۔ چونکہ اب دیوبندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لئے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کر دی گئی ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرا تو ان شاء اللہ اوس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ (پرانہ سبق)

جواب۔ اس کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں۔ اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد نہایت مختصر اور کھری ٹکسالی ہوتی ہے جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں۔ وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۸ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ امام صاحب کی اسناد صرف دو راوی ہیں۔ عطیہ عوفی ابو سعید خدری اور حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان ابن عیاش۔ ابراہیم نخعی علقمہ ابن مسعود۔ بتاؤ ان میں کون ضعیف ہے۔ چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرون میں سے ہے۔ ان کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہٰذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ضعف تدلیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہی روایتیں تمہاری دلیلیں ہیں جن پر تمہارے مذہب کا دارو مدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ لہٰذا ضعیف کی رٹ سے کسی غیر مقلد کو ڈراؤ حنفی کے لئے اس سے کچھ خطرہ نہیں۔ باقی جوابات وہ ہیں۔

جو ہم پہلے بابوں میں عرض کر چکے ہیں۔ ہم نے ہر حدیث کی بفضلہ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں۔ کہ وہ احادیث حسن ہو گئیں۔ ضعف جاتا رہا۔

اعتراض نمبر ۲۔ ابن ماجہ نے روایت کی کہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضور نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّکُوْعِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَبْلَ الرُّکُوْعِ وَبَعْدَہٗ۔

حضور نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوٰۃ یہ حدیث دعاء قنوت کے بحث میں لائے ہیں جو وتروں میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعاء قنوت مراد ہے۔ لہذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضورؐ نے ہمیشہ پڑھی۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور نے قنوت نازلہ صرف ایک یا سوا ماہ پڑھی۔ پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہٰذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت جرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی یا بعد میں۔ تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد مجروح ہے۔ اس ہی لئے اسے مسلم و بخاری نے نہ لیا۔ مسلم و بخاری کی روایتیں اس کی خلاف ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ لہذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لیے کسی طرح حجت نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ حِیْنَ یَفْرُغُ مِنْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ مِنَ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر کی قراءۃ سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع

الْقِرَاءَةِ وَيُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ ابْنَ الْوَلِيْدِ الخ	سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور سمع اللّٰہ لمن حمدہ فرماتے تو کھڑے ہوئے۔ یہ دعا پڑھتے اے اللّٰہ ولید ابن ولید کو نجات دے الخ

طحاوی شریف حنفیوں کی کتاب ہے اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

جواب:۔ شاید آپ نے طحاوی شریف کے اس ہی صفحہ پر حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر کی یہ روایت نہ دیکھی۔ اور دیکھتے بھی کیسے یہ آپ کے خلاف جو تھی۔ ملاحظہ ہو۔ آخری الفاظ۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ فَمَا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدُعَاءٍ عَلٰى اَحَدٍ	حضور فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ پس یہ آیۃ اوتری "لیس لک" الخ اس کے بعد حضور نے کبھی کسی پر نماز میں بد دعا نہ فرمائی۔

لہٰذا آپ کی پیش کردہ تمام احادیث اس آیت کریمہ سے منسوخ ہیں۔ اور منسوخ احادیث اپنی دلیل میں پیش کرنا آپ جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اسکے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایات تمہارے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللّٰہ عنہ خوارج یا بغاۃ کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو۔ تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانوں سے لڑنے کے سواء کون سے جہاد کیئے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف رہا۔ بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں۔ جیسے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللّٰہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ نسائی و ابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالتِ جنگ قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ جیسے حضرت عمر و علی رضی اللّٰہ عنہما اس لیئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں۔ لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے۔ آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے۔ دلیل کچھ اور تمام وہابیوں کو اعلان عام ہے۔ کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہو انشاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہٰذا کیوں ضد کرتے ہیں مقلد بن کر صحیح نمازیں پڑھا کرو۔

تتمّہ

وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر مقلد وہابی وتروں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعا قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم حنفی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعاء قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنّت ہے۔ اس کے خلاف کرنا سخت بُرا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ و ۲۔ امام محمد نے آثار میں اور حافظ ابن خسرو محدث نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يَقْنُتُ السَّنَةَ كُلَّهَا فِی الْوِتْرِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ

کہ آپ وتروں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ و ۴۔ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت سوید ابن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا يَقُوْلُوْنَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ الْوِتْرِ وَكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ذٰالِكَ

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی۔ علی مرتضےٰ سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہ ہی کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۵ تا ۸۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ اٰخِرِ وِتْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ الخ	یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم ان اعوذ بک الخ

یہ احادیث بطور نمونہ عرض کردیں۔ ورنہ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضور نے یا صحابہ کرام نے صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھی آگے پیچھے نہ پڑھی۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صراحۃً منقول ہوا کہ آپ سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ سارا سال وتروں میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا حضور کی بھی سنّت ہے اور صحابہ کرام کی بھی۔

خیال رہے۔ کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابوداؤد نے حضرت حسن بصری سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلٰی اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ فَکَانَ یُصَلِّیْ بِھِمْ عِشْرِیْنَ لَیْلَۃً وَلَا یَقْنُتُ بِھِمْ اِلَّا فِی النِّصْفِ الْبَاقِیْ۔	حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کردیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدھے رمضان میں۔

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنا سنّت صحابہ ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اے وہابیو! تمہارا پوری حدیث پر ایمان ہے یا آدھی پر۔ اگر آدھی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے۔ تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ	کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

اگر اس حدیث سے پندرہ دن دعاء قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعاء قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو۔ چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جسمیں شب قدر بھی ہے۔ اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعاء قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے جن میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعاء قنوت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ابی ابن کعب نے بیس رات تراویح پڑھائیں۔ جن میں سے آخری نصف میں دعاء قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعاء قنوت ہوئی تم پندرھویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ہمارا اعلان۔ ہم تمام دنیا کے وہابیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو۔ جس میں پندرہ دن دعاء قنوت کا حکم ہو۔ آگے پیچھے پڑھنے کی ممانعت ہو۔ قیامت تک نہ لاسکو گے لہٰذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

نواں باب

اَلتَّحیّات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سنّت یہ ہے کہ دونوں التحیّات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے وہابی غیر مقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنّت کے خلاف ہے اور بہت بُرا اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں

اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات

پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد داہنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سرا کعبہ کیطرف بایاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں:۔

حدیث نمبر ۱۔ مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى

آپ اپنا بایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۲ و ۳۔ بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ اِنَّمَا السُّنَّةُ فِی الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتُثْنِیَ الْيُسْرٰى زَادَ النَّسَائِیُّ وَاسْتِقْبَالُهٗ بِاَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ۔

سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے۔ اور بایاں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷۔ بخاری شریف۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يَرٰى عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِی الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ قَالَ فَفَعَلْتُهٗ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِیْ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ وَقَالَ سُنَّةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتُثْنِیَ رِجْلَكَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَیَّ لَا تَحْمِلَانِیْ۔

کہ وہ اپنے والد عبداللہ ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا۔ اس وقت میں نو عمر تھا تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ تم داہنا پاؤں کھڑا کرو اور بایاں پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں۔ یعنی چہار زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے (یعنی معذوری ہے)

حدیث نمبر ۸ و ۹۔ ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِیْنَۃَ قُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ اِلٰی صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ یَعْنِیْ لِلتَّشَہُّدِ اِفْتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَوَضَعَ یَدَہُ الْیُسْرٰی عَلٰی فَخِذِہِ الْیُسْرٰی وَنَصَبَ رِجْلَہُ الْیُمْنٰی۔

فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں حضور کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نماز میں بیٹھے یعنی التحیات میں تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۳۔ امام احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَاِذَا جَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلٰی فَخِذِکَ الْیُسْرٰی۔

پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو۔

حدیث نمبر ۱۴۔ طحاوی شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اِنَّہٗ کَانَ یَسْتَحِبُّ اِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ فِی الصَّلٰوۃِ اَنْ یَفْتَرِشَ قَدَمَہُ الْیُسْرٰی عَلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَجْلِسُ عَلَیْہَا

آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا بایاں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ ابوداؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الصَّلٰوۃِ اِفْتَرَشَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی حَتّٰی اَسْوَدَّ ظَہْرُ قَدَمِہٖ۔

وہ فرماتے تھے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہو گئی تھی۔

حدیث نمبر ۱۶۔ بیہقی شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا جَلَسَ فَلْیَنْصِبْ رِجْلَہُ الْیُمْنٰی وَلْیَخْفِضْ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی۔

جب نماز میں بیٹھے تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے۔

حدیث نمبر ۱۷ ۔ طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَاَحْفِظَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ فَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ قَعَدَ عَلَيْهَا۔

میں نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں۔ کہ جب حضور التحیات کے لیے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا۔ پھر اسی پر بیٹھ گئے۔

حدیث نمبر ۱۸ ۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُّدِ اَضْجَعَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى عَلٰى صَدْرِهَا وَيَتَشَهَّدُ۔

جب حضور التحیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنا پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور التحیات پڑھتے تھے۔

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التحیات کا ذکر ہے۔ اول آخر کی قید نہیں معلوم ہوا کہ مرد التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ اور دو سجدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری التحیات میں وہابیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے۔ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیئے۔ یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اسے پہلے التحیات کی نشست کی طرح ہونا چاہیئے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ دو دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں۔ اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر

وہ پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح لہٰذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اوس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہابیوں کی یہ دورنگی ابلقی نشست کس میں شامل ہے

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمادے۔ آمین۔

اعتراض نمبر ۱۔ طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ ابن سعید سے روایت کی۔

اَنَّ الْقَاسِمَ ابْنَ مُحَمَّدٍ اَرَاهُمُ الْجُلُوْسَ فَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَثَنّٰى رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَجَلَسَ عَلٰى وَرِكِهِ الْيُسْرٰى وَلَمْ يَجْلِسْ عَلٰى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَرَانِىْ هٰذَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِىْ اَنَّ اَبَاهُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ۔

کہ قاسم ابن محمد نے اون لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بایاں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھے۔ آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے۔ پھر قاسم نے فرمایا کہ یہ ہی مجھے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لیئے کیا کہ حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہوگا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز کی ہر التحیات میں اس ہی طرح بیٹھتے تھے۔ مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ حدیث اوس روایت کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔

یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ قیاس شرعی کے بھی خلاف اور جب حدیثوں میں تعارض ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہوگی اُسے ترجیح ہوگی۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث سے تمہارا قول ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں یہ تصریح نہیں۔ کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ زمین پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے کہ دونوں قدموں پر نہ بیٹھتے تھے واقعی نمازی دونوں قدموں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے۔ لہٰذا اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ طحاوی شریف اور ابوداؤد نے محمد ابن عمرو ابن عطاء سے ایک طویل حدیث روایۃ کی۔ جس کا ملخص یہ ہے۔

سَمِعْتُ اَبَا حُمَیْدِ السَّاعِدِیَّ فِیْ عَشَرَۃٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ اَنَّہٗ کَانَ فِی الْجَلْسَۃِ الْاُوْلٰی یُثْنِیْ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی فَیَقْعُدُ عَلَیْھَا حَتّٰی اِذَا کَانَتِ السَّجْدَۃُ الَّتِیْ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِہِ التَّسْلِیْمُ اَخَّرَ رِجْلَہُ الْیُسْرٰی وَقَعَدَ مُتَوَرِّکًا عَلٰی شِقِّہِ الْاَیْسَرِ فَقَالُوْا تَسْعًا صَدَقْتَ۔

میں نے ابوحمید ساعدی کو دس صحابہ کرام کی جماعت میں فرماتے ہوئے سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں۔ فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پہلی التحیات میں اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور اس پر بیٹھتے تھے۔ جب وہ سجدہ فرما لیتے۔ جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی التحیات میں پاؤں پر اور دوسری التحیات میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابوحمید ساعدی نے یہ حدیث دس صحابہ کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی معلوم ہوا کہ عام صحابہ کا وہ ہی طریقہ تھا جس پر ہم عامل ہیں۔ (یہ غیر مقلد وہابیوں کی مایہ ناز حدیث ہے)

جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں۔ بلکہ محض گڑھی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے۔ جو بہت جھوٹا ہے۔ وہ کہتا تھا۔ سَمِعْتُ اَبَا حُمَیْدٍ وَاَبَا قَتَادَۃَ میں نے ابوحمید اور ابوقتادہ سے سُنا۔ حالانکہ حضرت ابوقتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اور انہی کے زمانہ

میں شہید ہوئے حضرت علی نے ہی ابوقتادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمرو خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوا۔ پھر ابوقتادہ سے کیسے ملا۔ ایسا جھوٹا آدمی ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ نہ اُس کی حدیث قابل عمل ہے دیکھو طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابوحمید ساعدی کی صحیح حدیث وہ ہے۔ جو طحاوی شریف نے اسی باب میں بروایتہ عباس ابن سہیل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بایاں پاؤں بچھا کر اوس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی واہی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر حیلوں بہانوں سے ضعیف۔ ضعیف۔ کی رٹ۔ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تب بھی گذشتہ اُن احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں۔ لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل ناقابل عمل۔

اعتراض نمبر۳۔ ترمذی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی۔

قَالَ اجْتَمَعَ اَبُوْحُمَيْدٍ وَّاَبُوْ اُسَيْدٍ وَّسَهْلُ ابْنُ سَعْدٍ وَّمُحَمَّدُ ابْنُ مُسْلَمَةَ فَذَكَرُوْا صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْحُمَيْدٍ اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَعْنِيْ لِلتَّشَهُّدِ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَاَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهٖ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَكَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاُصْبَعِهٖ يَعْنِيْ سَبَّابَةَ۔

ایک بار ابوحمید ابو اسید۔ سہیل ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید فرمانے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور التحیات کے لیئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی (کلمے کی اونگلی) سے اشارہ فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس ہی طرح التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا۔ بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر التحیات میں زمین پر بیٹھتے تھے۔ تم پہلی التحیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو۔ دوسری میں زمین پر۔ یہ کیوں جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہو گا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری التحیات میں تین کام ہوتے ہیں۔ بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے بیننے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابوسعید ساعدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیساکہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہٰذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ ناقابلِ عمل۔

چوتھے یہ کہ اسی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو وائل کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علما کا اس پر عمل ہے۔ آپ نے ایسی صحیح وصاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے متبع نہیں۔ اپنی رائے ابتاع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں۔ بلکہ اہل رائے یا اہل ضد رکھیں۔

اعتراض نمبر ۴۔ بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ قابل حجت نہیں (پرانہ سبق)

جواب۔ کسی حنفی کو آپ اس منتر سے نہ ڈرایا کریں۔ حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی

اثر نہیں پڑتا۔ حنفی بحمدہ تعالٰے اتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بفرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جاویں۔ نیز امام اعظم رح جیسے جلیل القدر مجتہد سراج امت کا قبول فرما لینا ہی اس کو قوی کرنے کے لیئے کافی ہے۔ حنفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو تائیدیں ہیں۔ حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے۔ سنت پر بھی اور اجتماع امت وقیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ	اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں (مجتہدین امت) کی

دسواں باب ۱۰

بیس ۲۰ رکعت تراویح

ہم بیس رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ ملعات المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے۔ جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا مذکورہ رسالہ ملاحظہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔ ہاں اکثر مسلمان بیس پڑھتے ہیں اور بعض مسلمان چالیس البتہ غیر مقلد وہابی وہ فرقہ ہے۔ جسے نماز گراں ہے محض نفس پر بوجھ سمجھ کر تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لیئے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالٰی قبول فرمادے۔ آمین

پہلی فصل

بیس[20] رکعت تراویح کا ثبوت

بیس رکعت تراویح سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۵۔ ابن ابی شیبہ۔ طبرانی نے کبیر میں۔ بیہقی۔ عبد ابن حمید اور امام بغوی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً سِوَی الْوِتْرِ زَادَ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ غَیْرِ جَمَاعَۃٍ

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ بیہقی نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے۔ جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح سنّت مؤکدہ علی العین ہے کہ حضور نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔

حدیث نمبر ۶۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

کَانَ النَّاسُ یَقُوْمُوْنَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ الْخَطَّابِ فِیْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ تیئس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت ہیں۔ اسی لئے کل تیئس رکعتیں ہوئیں۔

حدیث نمبر ۷۔ بیہقی نے معرفہ میں صحیح اسناد سے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ کُنَّا نَقُوْمُ فِیْ عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَّالْوِتْرَ۔

ہم صحابہ کرام عمر فاروق کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۸۔ ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَهُ اَنْ تُصَلِّيَ بِاللَّيْلِ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ اِنَّ النَّاسَ يَصُوْمُوْنَ النَّهَارَ وَلَا يُحْسِنُوْنَ اَنْ يَقْرَءُوْا فَلَوْ قَرَاْتَ عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ قَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هٰذَا شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ فَقَدْ عَلِمْتُ وَلٰكِنَّهُ حَسَنٌ فَصَلّٰى بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً

حضرت عمر نے اونہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کرو رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین یہ وہ کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی نے ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل تراویح سنت رسول اللہ ہے اور جماعت۔ اہتمام ہمیشگی سنت فاروقی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجتماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب نے تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں۔ کسی نے اعتراض نہ کیا۔

تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ جماعت تراویح کی باقاعدہ جماعت اہتمام سے بدعت ہے۔ اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضور کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی۔ مگر اسے بدعت حسنہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِيَّ ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ دَعَا الْقُرَّاءَ فِيْ رَمَضَانَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَكَانَ عَلِيٌّ يُوْتِرُ بِهِمْ

کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی اونہیں وتر پڑھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۰۔ بیہقی شریف نے حضرت ابو الحسناء سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیَّ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلًا یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً	حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھائیں

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو ہماری لمعات المصابیح اور صحیح البہاری ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ کہ دن رات میں بیس رکعت فرض و واجب ہیں۔ ۱۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج بڑھانے کے لئے لہذا آٹھ رکعت تراویح بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اس ہی لئے کہتے ہیں۔ کہ اتنی آیات پر حضرت عمر و عثمان و صحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے تھے۔ اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہیئے تھا کہ قرآن کریم کے رکوع کل دو سو سولہ ۲۱۶ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب سے ۵۴۰ رکوع ہوتے ہیں۔ کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرماویں۔

تیسرے یہ کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے۔ ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر راحت کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویحہ ہوتا۔ اس صورت میں اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء امت کا عمل۔ ہمیشہ سے قریبًا ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا۔ اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَاَکْثَرُ اَھْلِ الْعِلْمِ عَلٰی مَارُوِیَ عَنْ عَلِیٍّ وَعُمَرَ وَغَیْرِھِمَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً وَھُوَ قَوْلُ	اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمر و علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی بیس رکعت تراویح اور یہ ہی سفیان ثوری، ابن مبارک

سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هٰكَذَا اَدْرَكْتُ بِبَلَدِ مَكَّةَ يُصَلُّوْنَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً

اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو بیس رکعۃ تراویح پڑھتے پایا۔

عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَبِهٖ قَالَ الْكُوْفِيُّوْنَ وَالشَّافِعِيُّ وَاَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ الصَّحَابَةِ

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہ ہی کوفی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہ ہی صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَصَارَ اِجْمَاعًا لِمَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ كَانُوْا يُقِيْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ رَكْعَةً وَعَلٰى عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ عِشْرِيْنَ

بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعۃ تراویح پڑھا کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر ہیثمی فرماتے ہیں۔

اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلٰى اَنَّ التَّرَاوِيْحَ عِشْرُوْنَ رَكْعَةً

تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بیس رکعۃ تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔ بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے۔ بیس رکعۃ تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں۔ بیس رکعت تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں۔ بلکہ آج حرمین طیبین میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعۃ تراویح پڑھی جاتی ہیں جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے

وہابی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف، سنت صحابہ کے خلاف، سنت مسلمین کے خلاف، سنت علماء مجتہدین کے خلاف، سنت حرمین طیبین کے خلاف ہے۔ ہاں ہوا نفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے رب تعالےٰ نفس امارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

دوسری فصل

بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ اوہام رکیکہ اور کچھ شبہات فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لئے اُن کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اعتراض نمبر ۱۔ امام مالک نے سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اُبَیَّ ابْنَ کَعْبٍ وَتَمِیْمَ الدَّارِیَّ اَنْ یَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰی عَشَرَۃَ رَکْعَۃً الخ

وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں۔ تو کل رکعات ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا۔ وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بتاؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہٰذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ موطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر مروزی

نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبدالرزاق نے انہی سے اکیس رکعتیں نقل فرمائیں دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ لہٰذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لئے ایسی واہیات روائیتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے[۳] یہ کہ عہد فاروقی میں اوّلاً آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی۔ جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَأُ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِىْ ثَمَانِ رَكْعَاتٍ فَاِذَا اَقَامَهَا فِىْ اِثْنَىْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَاَىَ النَّاسُ اَنَّهُ قَدْ خَفَّفَ	قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقر پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہو گئی۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

ثَبَتَ الْعِشْرُوْنَ فِىْ زَمَنِ عُمَرَ وَفِى الْمُؤَطَّا رِوَايَةٌ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَجَمَعَ بَيْنَهُمَا اَنَّهُ وَقَعَ اَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْاَمْرُ عَلَى الْعِشْرِيْنَ فَاِنَّهُ الْمُتَوَارِثُ۔	ہاں بیس کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روائیتوں کو اسطرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے۔

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اعتراض نمبر ۲۔ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیس تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے

جواب۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود تو بیس رکعات تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا صریحی حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی۔ بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ

ہمیشہ نہ کرائی۔ وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ بیس کی سند مل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی۔ ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعتراض نمبر ۳۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابو سلمہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو ام المومنین نے ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَ رَكْعَاتٍ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔ اگر بیس پڑھتے تو کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لئے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوئیں۔ بتاؤ تم وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو۔ جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المومنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان و دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرأت نہ کرتے۔ اسی ہی لئے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوٰۃ اللیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ

یہ نماز سرکار آخر رات میں سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں تہجد پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور نے پڑھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خود ام المؤمنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم بیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنّت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

وہابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں بتاؤ۔ ۱ کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس سنت کی ان کو خبر نہ تھی۔ آج قریبًا چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔

(۲) اگر نعوذ باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر لیا گیا اُن میں کوئی بھی حق گو اور متبع سنت نہ تھا آج اتنے عرصہ کے بعد تم حق گو بھی پیدا ہوئے اور متبع سنت بھی۔

(۳) اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے ایک سنت رسول کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لیئے ایڑی چوٹی کا زبانی و قلبی بدنی و مالی زور لگا رہے ہو۔ انہوں نے یہ کیوں نہ کیا۔ پھر تو ام المؤمنین سے تم افضل ہوئے۔

(۴) وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم بیس رکعت تراویح پڑھ کر۔ پڑھوا کر یا جاری ہوتے ہوئے۔ دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج حنفی بیس۲۰ رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمراہ اور بدعتی ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ جواب دو۔ جواب دو۔ جواب دو۔

(۵) اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنت اور تم بہادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی۔ تو بتاؤ حرمین طیبین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لیئے ہیں۔

(۶) حضرات آئمہ مجتہدین اور اُن کے سارے متبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں۔ جو سب بیس تراویح پڑھتے تھے۔ وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

(۷) اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے۔ تو اُن گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بدعمل کی روایت صحیح نہیں۔ تو بدعقیدہ کی روایت صحیح کیونکر ہوسکتی ہے۔

(۸) تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں۔ تمہارے نزدیک، گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ۔ مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو خیر امت اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا؟

امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجدنک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں۔ ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ۔ ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں۔ جس میں صراحۃً مذکور ہو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو۔ یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے۔ صرف ضد پر ہو۔ رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت الحمد للہ حضور کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان و عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

لطیفہ۔ غیر مقلد وہابی جب کبھی حنفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ

لیتے ہیں۔ جس کا بارہا مشاہدہ ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔

گیارہواں باب ۱۱

ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامۃ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لیئے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں۔ وہابیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں۔ انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کار ثواب کو بدعت حرام۔ بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

پہلی فصل

روشنی مسجد کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصًا ماہ رمضان خصوصًا شب بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس کا بہت ثواب ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعاتِ نماز قائم کرنا۔ وہاں صفائی رکھنا۔ عمدہ چٹایاں۔

فرش وغیرہ بچھانا وہاں روشنی وچراغاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے۔ جس کی روشنی میں میلوں تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہُوا کہ مسجدوں میں رونق وچراغاں کرنا ایمان کی علامت ہے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایتہ کی۔

قَالَ اَوَّلُ مَنْ اَسْرَجَ فِی الْمَسَاجِدِ تَمِیْمُ الدَّارِیْ

وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ جلائے وہ تمیم داری صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ

اس سے معلوم ہُوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنّت صحابی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج نہ تھا۔ بوقت جماعت کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت تمیم داری نے وہاں چراغاں کیا۔

(۳) ابوداؤد شریف نے حضرت اُم المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْتِنَا فِیْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِیْتُوْہُ فَصَلُّوْا فِیْہِ وَکَانَتِ الْبِلَادُ فِیْ ذٰلِکَ حَرْبًا فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْہُ وَ فَصَلُّوْا فِیْہِ فَابْعَثُوْا بِزَیْتٍ یُسْرَجُ فِیْ قَنَادِیْلِہٖ۔

انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمیں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھو اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ پہنچ سکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو وہاں تیل بھیجدو۔ کہ وہاں کی قندیلوں میں جلایا جاوے۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیئے سفر کرکے جانا سنت ہے۔ ہمارے حضورؐ نے معراج میں وہاں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اور سارے پیغمبر سفر کرکے وہاں نماز پڑھنے پہنچے۔ دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ جیسا قنادیل جمع فرمانے سے معلوم ہُوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے۔ چوتھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لیئے دور سے تیل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

(۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَمَنْ عَلَّقَ فِیْہِ قِنْدِیْلًا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یَنْطَفِیَ ذَالِکَ الْقِنْدِیْلُ۔

کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالےٰ کے لیئے مسجد بنائے گا۔ اللہ تعالےٰ اس کے لیئے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کریں گے۔ جبتک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔

معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ عَلَّقَ فِیْ مَسْجِدٍ قِنْدِیْلًا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یَنْطَفِیَ ذَالِکَ الْقِنْدِیْلُ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں۔ یہانتک کہ یہ قندیل گل ہو۔

معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ جلانا ثواب ہے۔ ایسے ہی مسجد میں چراغ یا تیل یا بتی دینا بھی ثواب ہے۔ خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

(۶) حدیث ابن شاہین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ اَوَّلِ لَیْلَۃٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَالْقَنَادِیْلُ تَزْھَرُ وَکِتَابُ اللّٰہِ تُتْلٰی فَقَالَ نَوَّرَ اللّٰہُ لَکَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ فِیْ قَبْرِکَ کَمَا نَوَّرْتَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ تَعَالٰی بِالْقُرْاٰنِ۔

فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہی تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشن کرے جیسے تم نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔

(۷) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ اونہیں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی،

اَنَّہٗ قَالَ نَوَّرَ اللّٰہُ قَبْرَ عُمَرَ کَمَا نَوَّرَ عَلَیْنَا مَسَاجِدَنَا۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالےٰ حضرت عمر کی قبر روشن کرے جیسے اونہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مروج ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ نے اس انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے انشاء اللہ قبر منور ہوگی۔ لہذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے۔ وہ در پردہ سنّت صحابہ پر اعتراض کرتا ہے۔ اس چراغاں کے روکنے والے اپنی قبریں تاریک کر رہے ہیں۔

(۸) قرآن" رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا	اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے۔ جو مسجدوں میں نماز۔ ذکر الہی۔ تلاوت قرآن نعت خوانی سے منع کریں۔ اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغاں وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقعہ پر چراغاں کرنا اچھا ہے کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب و زینت کرتے ہیں۔ بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں۔ عمارتیں سجاتے ہیں۔ جب ہمارے گھر آراستگی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تمام گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو۔ یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابیوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں۔ وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں

منع فرمایا گیا۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ | کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالےٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔

جواب۔ مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے۔ فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو۔ مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے۔ جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغاں بے کار ہیں اور بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب۔ جب ایک قمیض و پائجامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہیئے کہ اچکن واسکٹ پہننا فضول خرچی اور حرام ہو۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے۔ تو چاہیئے کہ دو روپے گز کی ململ۔ لٹھا۔ چکن۔ وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے۔ تو وہاں صدہا روپیہ خرچ کر کے بجلی فٹنگ کرانا۔ اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیئے جب تھرڈ کلاس سے بھی راستہ طے ہو جاتا ہے تو انٹر بلکہ سیکنڈ۔ فسٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا چاہیئے۔ جناب ایک دیئے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳۔ اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا۔ کیا تم حضور سے افضل ہو یا دین کے زیادہ ہمدرد ہو۔ جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب۔ اگر واسکٹ۔ اچکن اعلےٰ درجہ کی ململیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور نے نہ کیا وہ اسے وہابیو تم کیوں کرتے ہو۔ تم اپنے گھروں میں بجلی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں جلاتے ہو۔ جناب حضور کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہادوں کا زمانہ تھا اس طرف توجہ فرمانے کا موقعہ ہی نہ تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے۔ تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین

تو دنیا سے اعلیٰ ہے۔ اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل۔ جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہیئے۔ یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی حضور فرماتے ہیں کہ۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ　　تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو

جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے۔ ایسے ہی حضور کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا۔ بلکہ خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لیئے تیل بھیجنے کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۴۔ ابوداؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح آراستہ کرو گے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہی ہے لہذا یہ بھی منع ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے۔ تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عثمان رضؓ کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کریم کے مخالف ہو گی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت و آبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ الخ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ یہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس ہی لیئے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی۔ ان کے عبادت خانے

توحافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے سواء یعلمون، تعلمون سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

جواب۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارے بانی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ بتاؤ وہ ٹھیر ٹھیر کر پڑھتے تھے یا یعلمون تعلمون وہ حرام کے مرتکب تھے یا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے حضرت عثمان غنی۔ تمیم داری۔ عبداللہ ابن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خسوف میں ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے۔ جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے۔ کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف۔ اور واضح پڑھ سکتے ہیں۔ بعض میں یہ قوت نہیں۔ وہ اگر تیز پڑھیں۔ تو صرف یعلمون تعلمون ہی سمجھ میں آوے گا۔ شبینہ صرف پہلی قسم کے حفاظ پڑھیں دوسری قسم کے حفاظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہ ہی منشاء ہے۔ آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگ صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ حدیث ترمذی۔ ابو داؤد۔ دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایۃ کی (مشکوٰۃ باب تلاوۃ القرآن)

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ یَفْقَہُ مَنْ قَرَاءَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثٍ۔	بیشک فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے۔ وہ قرآن نہ سمجھے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہئیے کیونکہ پھر قرآن سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین

شب کا شبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی۔ دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اس زد میں آجاتے ہیں۔ ان کی صفائی پیش کرو۔ جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

تیسرے یہ کہ سرکار عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی۔ کہ علے العموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں۔ تو سمجھ نہ سکیں گے۔ بعض بندے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں۔ جیسے حضرت عثمان وغیرہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ اس ہی لئے اس حدیث کی شرح میں مرقات ولمعات شریف میں ہے۔ کہ بعض بزرگ ایک دن ورات میں تین ختم کرتے تھے۔ بعض حضرات آٹھ ختم فرما لیتے تھے اور شیخ ابو مدین مغربی ایک دن ورات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آتے آتے ختم قرآن کر لیا۔ اور لوگوں نے حرف بحرف سنا۔ (مرقات جلد دوم صفحہ ۲۱۶ باب تلاوت القرآن میں ہے)

وَالْحَقُّ اَنَّ ذَالِكَ تختلف باشخاص | حق یہ ہے کہ یہ حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے

اعتراض نمبر ۳۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عمرو سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَاقْرَأْ فِيْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ (مشکوٰۃ۔ صوم تطوع) | ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔ اس پر زیادہ نہ کرو

دیکھو حضرت عبد اللہ ابن عمرو نے حضور سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور نے اوّلًا تو حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیئے لہذا شبینہ منع ہے۔

جواب سرکار کا یہ جواب سیدنا عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ وہ ایک دو رات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے۔ یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں۔ جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک

ایک قرآن پڑھا ہے اونہیں یہ حدیث معلوم تھی۔ پھر بھی ایک رکعتہ میں ختم کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ۴۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو رات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہذا شبینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیئے۔

جواب۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک شب میں پورا قرآن پڑھنا دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ آپ کی اوّل حیات شریف میں پورا قرآن اُترا ہی نہ تھا۔ وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی، لہذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے اپنی امت پر رحم فرمایا، تاکہ شبینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے۔ پھر صحابہ نے شبینہ پڑھا، جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔ (شبینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے انشاءاللہ وہ ہی ثواب ملے گا، جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہابیوں کو ہی سجتا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵۔ آج کل شبینہ کا یہ حال ہے، کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سست بیٹھا ہے۔ اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لیئے شبینہ بند ہو جانا چاہیئے۔

جواب۔ یہ محض جھوٹا الزام ہے، شبینہ میں بعض لوگ، باقاعدہ شبینہ سننے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنتے ہیں۔ بعض محض شبینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سُننا فرض کفایہ ہے، بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سُستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سُستی دور کرو، شبینہ بند نہ کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، ناچ تماشے، باجے آتشبازی سب ہی کچھ ہوتی ہے۔ براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور نے کعبہ نہ ڈہایا بلکہ جب رب نے قوت دی، تب بتوں کو نکال دیا، اگر مسجد میں کتا گھس جاوے۔ تو مسجد کو نہ گراؤ۔ کُتے کو نکالو، اگر چارپائی میں کھٹمل کپڑوں یا سر کے بالوں میں جوئیں ہو جاویں، تو یہ کپڑے مار دو، چارپائی یا کپڑے یا بالوں

کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کی بجائے خود عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے امور خیر کو روکتے ہیں۔ جیسے میلاد شریف ختم بزرگاں وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا، تو انشاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہینگے ہم نے شبینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لیئے کردی کہ آجکل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شبینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دیوبندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑ دیے۔

تیرھواں باب ۱۳

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو، اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیئے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھے بشرطیکہ جماعت مل جانیکی قوی اُمید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

عَنْ اَبِيْهِ حِيْنَ دَعَاهُمْ سَعِيْدُ ابْنُ الْعَاصِ دَعَا اَبَا مُوْسٰى وَحُذَيْفَةَ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَبْلَ اَنْ	وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص نے بلایا اس نے حضرت ابو موسیٰ

يُصَلِّى الْغَدَاةَ ثُمَّ خَرَجُوا مِنْ عِنْدِهٖ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللهِ اِلٰى اُسْطُوَانَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِى الصَّلٰوةِ

حضرت حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔

دیکھو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے جو فقیہہ صحابی ہیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے

(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابومجلز سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِىْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مَعَ اِبْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ يُصَلِّى فَاَمَّا اِبْنُ عُمَرَ فَدَخَلَ فِى الصَّفِّ وَاَمَّا اِبْنُ عَبَّاسٍ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَ الْاِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قَعَدَ اِبْنُ عُمَرَ مَكَانَهٗ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ

وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد میں گیا۔ حالانکہ امام نماز پڑھا رہا تھا حضرت ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے۔ لیکن حضرت ابن عباس نے اولاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے جب سورج نکل آیا تو دو رکعۃ نفل پڑھیں

حضرت عبداللہ ابن عباس نے جو بڑے فقیہہ صحابی اور حضور کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرت ابو عثمان انصاری سے روایت کی۔

قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْاِمَامُ فِیْ صَلٰوۃِ الْغَدَاۃِ وَلَمْ یَکُنْ صَلَّی الرَّکْعَتَیْنِ فَصَلّٰی ابْنُ عَبَّاسٍ الرَّکْعَتَیْنِ خَلْفَ الْاِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَھُمْ۔

کہ حضرت عبداللہ ابن عباس مسجد میں اس حال میں آئے، کہ امام نماز فجر میں تھے۔ اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں۔ تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَیْتِہٖ فَاُقِیْمَتْ صَلٰوۃُ الصُّبْحِ فَرَکَعَ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَھُوَ فِی الطَّرِیْقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّی الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبید اللہ سے روایت کی۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ اَنَّہٗ کَانَ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوْفٌ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ فَیُصَلِّی الرَّکْعَتَیْنِ فِیْ نَاحِیَۃِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ یَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِی الصَّلٰوۃِ

کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے، حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ کُنَّا نَاْتِیْ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ قَبْلَ اَنْ نُّصَلِّیَ الرَّکْعَتَیْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ وَھُوَ فِی الصَّلٰوۃِ فَنُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ فِیْ آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ

فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے۔ تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے

نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلٰوتِهِمْ۔ | تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ الْحَسَنُ يَقُوْلُ يُصَلِّيْهِمَا فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِيْ صَلٰوتِهِمْ۔ | کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

يَقُوْلُ أَيْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ وَقَدْ أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ۔ | فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد ابن عمر کو نماز فجر کے لئے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی۔

كَانَ مَسْرُوْقٌ يَجِيْءُ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِيْ صَلٰوتِهِمْ | حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کیساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے

(۱۰)۔ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی

أَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ فِي الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔ | کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا، آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں، اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا۔ بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو، کیونکہ تمام مؤکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے حتیٰ کہ مسلم بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

(۱۱نا۱۵) لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِّنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

حضور صلے اللہ علیہ وسلم جتنی نگہبانی وپابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔

اور احمد۔ طحاوی، ابوداؤد شریف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

(۱۶تا۱۸)۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدَعُوْا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَاِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ۔

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھگا رہا ہو۔

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لیئے جاویں تو ان کی قضا نہیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لیئے جاتے ہیں، ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو واجب کا تارک ہوا، اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو اتنی اہم سنت مؤکدہ کا تارک ہوا۔ لہذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں کرنا بہتر ہے، ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہذا ایسی جگہ کھڑا ہو، جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جا سکتی ہیں، اور سنت عصر وعشاء مؤکدہ نہیں غیر مؤکدہ ہیں، اس لیئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے، سنت فجر مؤکدہ بھی ہیں۔ اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لیئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو، تو پڑھ لے، لیکن اگر جماعت نہ مل سکے، تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے۔ واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں، وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کیئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا۔ تو انشاء اللہ تعالےٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱۔ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃَ۔

آپ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو، کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے، اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جا رہی ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آ رہی ہو، تو جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے، کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اپنا فرمان ہے، جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں، کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت

فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے، لہٰذا ان کا عمل و قول حضرت ابوہریرہؓ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا، کیونکہ صاحبِ ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے، اگر اس کی عشاء قضاء ہو گئی ہو، اور جماعت فجر قائم ہو جاوے، تو وہ اوّلاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہو گا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو، تب اس کے معنے یہ ہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تاکہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں، حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا صَلٰوۃَ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃُ اِلَّا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ (از حاشیہ طحاوی)	جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت فجر کے

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں لاخطہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنے یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ مؤکدہ سنّت ہے، یہ تاویل اس لیئے ہے، تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحینہ سے روایت کی۔

قَالَ اُقِیْمَتْ صَلٰوۃُ الْفَجْرِ فَاَتٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے جو سنت

عَلٰى رَجُلٍ يُصَلِّىْ رَكْعَتَىِ الْفَجْرِ فَقَامَ عَلَيْهِ وَلَاثَ بِهِ النَّاسُ فَقَالَ اَتُصَلِّيْهَا اَرْبَعًا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔

فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحتہً ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے

جواب ۔ یہ صاحب مالک ابن بجینہ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل، یہ واقعی مکروہ ہے، اسی پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا، چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَالِكِ ابْنِ بُحَيْنَةَ وَهُوَ مُنْتَصِبٌ ثَمَّهٗ بَيْنَ يَدَىْ نِدَاءِ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوْا هٰذِهِ الصَّلٰوةَ كَصَلٰوةِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا وَاجْعَلُوْا بَيْنَهُمَا فَصْلًا

محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن بحینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بات [illegible] تھے، تو حضور نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کو طرح نہ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہتہ جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳ ۔ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لیئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے، رب تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے، اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرأۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے، تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ کہ قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، آج سائنس کا زور ہے۔ ریڈیو پہ تلاوتِ قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرضِ عین ہو، تو مصیبت آجاوے، بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ۴ ۔ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں، یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں، یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بری چیز ہے

جواب ۔ یہ مخالفت جب ہوگی۔ جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔ اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا۔ ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورۃً جائز ہے۔ سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کرلی

جاویں تو کوئی حرج نہیں۔

چودہواں باب ۱۴

نمازیں جمع کرنا منع ہیں

ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے، مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست، مگر غیر مقلد وہابی بحالت سفر ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں، یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے۔ اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف، ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور عمدًا کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالٰے نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا۔	مسلمانوں پر نماز فرض ہے اپنے وقت میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے، جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے۔ ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے، اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں، ہر مومن کو یہ حکم

ہے کوئی ہو۔

نمبر ۲۔ رب تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلوٰتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ | خرابی ہے ان نمازیوں کے لیئے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔

اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے، بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سستی میں داخل ہے، بلکہ اول درجہ کی سستی ہے۔

نمبر ۳۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلوٰةَ وَاٰتُوا الزَّكوٰةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ۔ | نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کرنیکا حکم دیا ہے، نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صحیح پڑھے، صحیح وقت پر پڑھے۔ نماز کا وقت گزار کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

نمبر ۴۔ رب تعالیٰ متقیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ | قرآن ان متقی لوگوں کے لیئے ہادی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ متقی و پرہیز گار وہ مومن ہے، جو نماز قائم کرے، یعنی ہر نماز اسکے وقت پر پڑھے، اور ہمیشہ پڑھے، خواہ مقیم ہو یا مسافر، سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

نمبر ۵ و ۶۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ | فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت

قَالَ اَلصَّلٰوۃُ بِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِهِنَّ وَلَوِاسْتَزَدْتُهٗ لَزَادَنِیْ۔

پر نماز پڑھنی میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا، ماں باپ کی خدمت میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل فرمایا۔ اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے ہیں کہ حضور نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔

نمبر ۷ تا ۱۰۔ احمد، ابوداؤد۔ مالک، نسائی نے حضرت عباد۔ ابن صامت سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَهُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُکُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ کَانَ لَهٗ عَلَی اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ یَّغْفِرَ لَهٗ الخ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ان کے وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش دے۔

نمبر ۱۱۔ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا اَلصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا کُفُوًا۔

بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب آجاوے اور جنازہ جب موجود ہو، لڑکی جب تم اس کا کفو پاؤ۔

نمبر ۱۲ تا ۱۴۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ام فروہ سے روایت کی۔

قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَلصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا۔

فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب میں

نمبر ۱۵۔ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تِلْکَ صَلٰوۃُ الْمُنَافِقِ یَجْلِسُ وَیَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰی اِذَا اصْفَرَّتْ وَکَانَتْ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطٰنِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا یَذْکُرُ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیْلًا	فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب زرد ہو جائے اور سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چونچ مارے جنمیں رب کا ذکر تھوڑا کرے

اس قسم کی احادیث بیشمار ہیں، جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عتاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا، یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں، افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر، جو گھر سے دو میل جا کر، سفر کا بہانہ بنا کر، وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں، نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے، نہ کوئی عذر، صرف نفس امارہ کا دھوکہ ہے۔ کھانا وقت پر کھائیں، دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں، مگر نمازیں بگاڑیں، جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلےٰ رکن ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہابیوں کی صحبت سے بچیں، اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں،

عقل کا تقاضاء۔ بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے، ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے، کیوں کہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت سب کے اوقات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا، مسافر بحالت سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھتا ہے ایسے ہی اگر مسافر نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت، نماز جمعہ پڑھے، تو ان کے مقررہ وقتوں ہی میں پڑھے گا۔ یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے، تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر تو عصر کے وقت میں پڑھیں، اور مغرب عشاء کے وقت میں، حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہ ہی وقت ہیں۔ جو حضر میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے

وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے، یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ و دانستہ نماز قضا کرنا سخت گناہ ہے۔ اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین نے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کیئے، تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لیئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا، بلکہ ہر مسلمان کے لیئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقتِ مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے مسافر کے لیئے ان دو نمازوں میں یہ وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی، اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں، بہر حال پانچوں نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لیئے یکساں ہیں، ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کہ ہر حال میں ہر نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاءاللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ

فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر و عصر جمع فرما لیتے تھے اور مغرب و عشاء بھی جمع فرماتے تھے۔

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف راویوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہ ہی حدیث وہابیوں

کی انتہائی دلیل ہے، جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف وغیرہ ہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر و عصر، ایسے ہی مغرب و عشاء جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ جَمَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِیْنَۃِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ۔	ابن عباس نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر مغرب و عشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرما لیتے تھے

بلکہ اسی ابوداؤد و طحاوی شریف نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور مدینہ منورہ میں سات بلکہ آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے۔

چنانچہ ابوداؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَۃِ ثَمَانِیًا وَّسَبْعًا۔ اَلظُّھْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ۔	حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء،

تو اے وہابیو! تم صرف سفر میں، صرف ظہر و عصر یا مغرب و عشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیئے کہ روافض کی طرح سات سات آٹھ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ تو مذکور ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں، کہ کیسے جمع فرمائیں، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا، ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء مغرب کے وقت

میں، لہٰذا یہ حدیث مجمل ہے۔ اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔
تیسرے یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے تھا، ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورۃً تھا، حقیقۃً نہ تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی۔ بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت میں قیام فرمایا، ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی، اور عصر اول وقت میں، بظاہر معلوم یہ ہوا، کہ حضور علیہ السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں، لیکن حقیقۃً ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اوّل وقت میں۔ اس صورت میں اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری ان احادیث کے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں۔

یہ جمع بالکل جائز ہے، یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔
حضرت عبداللہ ابن عباس کی وہ حدیث جو طحاوی و ابو داؤد نے روایت کی۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب و عشاء صورۃً جمع فرمائیں، تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و عصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار ظہر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورۃً تھی نہ کہ حقیقۃً لہٰذا سفر میں بھی جائز تھی، اور حضر میں بھی، بیان جواز کے لیئے، حدیث سمجھنے کے لیئے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ غلامی چاہیئے، جس سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس معنے کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنے ہم نے بیان کیئے اس معنے کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے۔ جن میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ سنو اور عبرت پکڑو۔
حدیث نمبر ۱۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ یُؤَخِّرُ ھٰذِہٖ فِیْ اٰخِرِ وَقْتِھَا وَیُعَجِّلُ ھٰذِہٖ فِیْ اَوَّلِ وَقْتِھَا۔

بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم مغرب و عشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے اور عشاء اس کے اول وقت میں۔

حدیث نمبر ۲۔ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَکَانَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ یَفْعَلُہٗ اِذَا اَعْجَلَہُ السَّیْرُ یُقِیْمُ الْمَغْرِبَ فَیُصَلِّیْھَا ثَلٰثًا ثُمَّ یُسَلِّمُ ثُمَّ قَلَّمَا یَلْبَثُ حَتّٰی یُقِیْمَ الْعِشَاءَ فَیُصَلِّیْھَا رَکْعَتَیْنِ۔

عبداللہ ابن عمر بھی حضور علیہ السلام کا سا عمل کرتے تھے، کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے پھر عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے

حدیث نمبر ۳۔ نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ مَکَّۃَ فَلَمَّا کَانَ تِلْکَ اللَّیْلَۃُ سَارَ بِنَا حَتّٰی اَمْسَیْنَا فَظَنَنَّا اَنَّہٗ نَسِیَ الصَّلٰوۃَ فَقُلْنَا لَہُ الصَّلٰوۃُ فَسَکَتَ وَسَارَ حَتّٰی کَادَ الشَّفَقُ اَنْ یَغِیْبَ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰی وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّی الْعِشَاءَ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَقَالَ ھٰکَذَا کُنَّا نَصْنَعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَدَّ بِہِ السَّیْرُ۔

فرماتے ہیں، کہ ہم مکہ معظمہ سے حضرت ابن عمر کے ساتھ آئے، جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہو گئی، ہم سمجھے کہ حضرت عبداللہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجیے مگر آپ چلتے ہی رہے یہانتک کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہو گئی تو اترے اور مغرب پڑھی، پھر شفق غائب ہو گئی تو نماز عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور کیساتھ بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔

اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں، جن میں صراحتہً ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر و ظہر یا مغرب و عشاء صرف صورۃً جمع کی جاویں گی، کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے

اول وقت ہیں، نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو، تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی، لہذا حنفیوں کی توجیہہ بالکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے۔ اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجیہہ محض باطل ہے، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

اے وہابیو! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانتے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے بحالتِ اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے ہو۔ تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار،

اعتراض نمبر ۲۔ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اِرْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِیْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّھْرَ اِلٰی وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَیْنَھُمَا۔

فرماتے ہیں، کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اِلَی الْعَصْرِ سے ظاہر ہے۔

جواب۔ آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، اِلٰی سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزول فرماتے تھے، غایت مغیّا سے خارج ہے۔ نہ کہ داخل عصر تک مُوخر فرمانے کے معنے یہ ہیں کہ عصر کے قریب تک مُوخر فرماتے تھے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۱ کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا۔ لہذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع تحقیقی۔

اعتراض نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتّٰی اِذَا کَانَ عِنْدَ غَیْبُوْبَۃِ الشَّفَقِ نَزَلَ فَجَمَعَ بَیْنَھُمَا وَقَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰکَذَا اِذَا جَدَّ بِہِ السَّیْرُ۔	حضرت ابن عمر چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آگیا تو اترے، پس مغرب وعشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں جلدی ہوتی۔

اس حدیث میں صراحتًہ مذکور ہے۔ کہ حضرت عبداللہ ابن عمر شفق غائب ہونیکے وقت اترے یقینًا آپ نے مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب ۔ یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس کے معنے یہ کب ہیں کہ شفق غائب ہونے کے بعد اترے معنے بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب ہوئی تب اترے۔ نماز مغرب پڑھتے ہی شفق غائب ہوگئی اور وقت عشاء آگیا۔ عشاء پڑھ لی۔ ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل شریف بیان کرچکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیئے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ظہر وعصر ملاکر کیوں پڑھتے ہیں۔ ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں مغرب وعشاء ملاکر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں۔ حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں۔ جب حج کے موقعہ پر نماز ظہر وعصر ایسے ہی مغرب وعشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہوگئیں۔ تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں۔ تو کیا حرج ہے۔ اے حنفیو! تم قرآنی آیت اور یہ احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب ،۔ جناب نہ تو عرفہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے۔ نہ مزدلفہ میں مغرب عشاء کے وقت میں۔ بلکہ وہاں حجاج کے لیئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔ یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع

ہوتا ہے۔ اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہٹیں۔ بلکہ نمازوں کے اوقات ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو۔ وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر امام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت، تو سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں، تو نماز مغرب ہو گی ہی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی۔ معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کرے۔ بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے۔ اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں پڑھے، اور عشاء اپنے وقت میں، تو تم بھی اسے گنہگار نہیں مانتے، بلا کراہت جائز کہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا۔ بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ لہٰذا حاجیوں کی عرفہ و مزدلفہ والی نمازیں۔ نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں، نہ احادیث کے مخالف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے۔ اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔

جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے

ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے۔ اگر اس کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو ہمارا حاشیۂ بخاری نعیم الباری میں یہ ہی بحث ملاحظہ کرو۔ ان شاء اللہ وہاں لطف آجاوے گا۔

ناظرین کو ان بحثوں سے پتہ لگ گیا ہوگا۔ کہ مذہب حنفی بفضلہ تعالیٰ نہایت مضبوط مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے

وہابی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اُن کے مذہب کی بنیاد محض غلطی پر قائم ہے۔ رب تعالیٰ ہم کو اسی مذہب حنفی پر قائم رکھے۔

ھمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنیفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

پندرہواں باب ۱۵

سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شریعت اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں۔ لیکن وہابیوں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لیئے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ گھر سے کھیت دیکھنے گئے۔ مسافر بن گئے۔ ایک آدھ میل سیر و تفریح کرنے شہر سے باہر نکلے۔ مسافر بن بیٹھے۔ اور نماز میں کمی کر دی۔ شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے۔ یعنی بجائے چار کے دو پڑھے۔

یہ تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں۔ ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں، ۵۷ میل اور ریتلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا۔ غرضیکہ تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل حرمین طیبین میں نجدیوں کی حکومت ہے۔ نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منیٰ و عرفات میں آکر قصر نماز ادا کرتا ہے۔ حالانکہ منیٰ کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تین میل

ہے۔ اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ حنفی مذہب کی رُو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا: اس لیئے حنفی لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقعہ پر یہ چاہیئے کہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے ۵۷ میل دور نکل جاوے۔ پھر واپس ہوتے ہوئے منیٰ و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ حنفیوں کی نمازیں بھی اوس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہیئے۔ اس باب کی بھی ہم دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن کی راہ ہے۔ اس سے کم فاصلہ شرعاً سفر نہیں۔ نہ ایسے شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

1۔ حدیث بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُسَافِرِ الۡمَرۡاَۃُ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ اِلَّا مَعَ ذِیۡ رَحۡمٍ۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قریبی رشتہ دار کے نہ کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اکیلے سفر کرنا حرام ہے۔ ذی رحم قرابتہ دار کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔ اسی سفر کی مدت حضور نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

(۲) حدیث مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ جَعَلَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَھُنَّ لِلۡمُسَافِرِ وَیَوۡمًا وَلَیۡلَۃً لِلۡمُقِیۡمِ۔

حضور صلعم نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لیے ایک دن رات۔

حدیث نمبر ۳ تا ۹۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن حبان۔ طحاوی۔ ابوداؤد۔ طیالسی طبرانی۔ ترمذی نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ فِی الْمَسْحِ عَلَی الْخُفَّیْنِ لِلْمُقِیْمِ یَوْمٌ وَلَیْلَۃٌ وَلِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَۃُ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضور نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کیلئے تین دن تین راتیں ہیں۔

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲۔ اثرم نے اپنی سنن میں۔ ابن خزیمہ دار قطنی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَلَیْلَۃً اِذَا تَطَھَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْہِ اَنْ یَّمْسَحَ عَلَیْھِمَا وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ وَھُوَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ (مشکوٰۃ)

وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور نے مسافر کیلئے تین دن تین رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات جبکہ وضو کر کے موزے پہنے ہوں۔ خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵۔ ترمذی۔ نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْمُرُنَا اِذَا کُنَّا سَفْرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھِنَّ الخ (مشکوٰۃ)

حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے موزے تین دن تین رات نہ اتاریں۔ الخ

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موزے پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں۔ اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جاویں۔ تو تین دن مسح کر کے دکھاویں۔ ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے۔ وہ اس اجازت

سے کیسے فائدہ اٹھائے۔ لہٰذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں ورنہ موزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی۔ اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے

حدیث نمبر ۱۶۔ امام محمد نے آثار میں حضرت علی ابن ربیعہ والبی سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ اِلٰى كَمْ تُقْصَرُ الصَّلٰوةُ فَقَالَ اَتَعْرِفُ السُّوَيْدَاءَ قُلْتُ لَا وَلٰكِنِّىْ قَدْ سَمِعْتُ بِهَا قَالَ هِىَ ثَلٰثُ لَيَالٍ قَوَاصِدَ فَاِذَا خَرَجْنَا اِلَيْهَا قَصَرْنَا الصَّلٰوةَ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویداء دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے۔ فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (قاصد کی رفتار سے) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں تک جائیں تو قصر کر سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۷۔ دارقطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصُرُوا الصَّلٰوةَ فِىْ اَدْنٰى مِنْ اَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَكَّةَ اِلَى عُسْفَانَ

بیشک حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا۔ یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے

حدیث نمبر ۱۸۔ مؤطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ فِىْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِىْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِىْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجَدَّةَ قَالَ يَحْيٰى قَالَ مَالِكٌ وَذَالِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ۔

کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف اور مکہ عسفان اور مکہ اور جدہ کی برابر فاصلہ میں یحییٰ فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۔ امام شافعی نے بہ اسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

اَنَّهٗ سُئِلَ اَتُقْصَرُ الصَّلٰوةُ اِلٰى عَرَفَةَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ اِلٰى عُسْفَانَ وَاِلٰى جَدَّةَ وَاِلٰى الطَّائِفِ رَوَاهُ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ صَحِیْحٌ	حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا۔ کہ کیا عرفات تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر کی جاوے گی فرمایا نہیں۔ لیکن قصر کی جاوے گی عسفان یا جدہ یا طائف تک اسے امام شافعی نے نقل فرمایا اور فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۲۰:۔ امام محمد نے موطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْبَرِيْدَ فَلَا يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ۔	کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک برید سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے۔

خیال رہے کہ ۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵۷ میل ہوتا ہے۔ یعنی ۳۶ کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں۔ جس کو شوق ہو وہ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہُوا۔ کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لیئے چار برید فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہئیں۔ صحابہ کرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی زمین شہر کی فنا کہلاتی ہے۔ جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جیسے قبرستان عید گاہ چراگاہیں۔ گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس جگہ سیر و تفریح کے لیے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا۔ نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا جاوے تو چاہیئے کہ کوئی عورت بغیر محرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ جا سکے۔ کیونکہ عورت کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے۔ نیز اسلامی قانون ہے کہ مسافر تین دن رات موزوں پر مسح کر سکتا ہے۔ یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ تو چاہیئے کہ سفر کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو۔ جسے عقل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دن ہی ہے۔

نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا تو یقینی ہے۔ اس سے کم مسافت سفر ہونا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی زائل کر سکتا ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے۔ جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلَّی الظُّھْرَ بِالْمَدِیْنَۃِ اَرْبَعًا وَصَلَّی بِذِی الْحُلَیْفَۃِ رَکْعَتَیْنِ۔	کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

دیکھو ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے۔ جسے آج کل بیر علی کہا جاتا ہے۔ یہ ہی اہل مدینہ کے لیئے حج کا میقات ہے۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب:۔ اس حدیث میں سیر و تفریح کے لیئے صرف ذوالحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ سرکار بہ ارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آگیا۔ تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے۔ لہٰذا یہاں قصر فرمایا۔ اس لیئے یہاں فرمایا گیا۔ صلّی الظھر ایک بار یہ واقعہ ہوا۔ کان یصلی نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو موطا امام مالک اور موطا امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ کَانَ اِذَا خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَقْصَرَ الصَّلٰوۃَ	کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرنے کے لیئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے۔ تو

بِذِی الْحُلَیْفَۃِ۔ | ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلتے ہی نماز قصر پڑھے گا۔ اور واپسی پر آبادی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِاِمْرَأَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ مَسِیْرَۃَ یَوْمٍ وَّلَیْلَۃٍ لَیْسَ مَعَھَا حُرْمَۃٌ۔ | فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت اللہ تعالے اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو۔ اسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن و رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کیئے کہ عورت کو بغیر محرم کے اتنی دور جانا حرام فرما دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ سفر کے لیے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا۔ تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لیے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روائتیں ملیں۔ تین دن والی اور ایک دن والی۔ اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی۔ تو ایک دن والی حدیث منسوخ ہے۔ اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے۔ ایک دن والی حدیث پیچھے تو تین دن کی حدیث ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آجاتا ہے۔ اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا۔ لہٰذا تین دن کی روایت یہ

ہر حال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک اس لیے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں۔ تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی۔ بہ ہر حال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔ آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے۔ تو بتاؤ موزوں پر مسح کی مدتِ تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا۔ تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہ ہوئی۔

جواب۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے۔ تو سفر ہے۔ اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسح کا قانون حاوی اور جاری ہونا چاہیئے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہے تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے۔ تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے۔ لہٰذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

سولھواں باب ۱۶

سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے۔ فرض کے علاوہ تمام نفل و سُنت، وتر گھر کی طرح پورے پڑھے۔ ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے۔ وہ ہی سفر میں ہے۔ نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں۔ نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد وہابی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں۔ نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں۔ بعض تو اس میں بہت سخت ہیں۔ اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ

کا شرعی ثبوت۔ دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالےٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں سنت و وتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے۔ باقی ساری نماز پوری پڑھے۔ اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی

کیا آپ نے اُس مردود کو دیکھا جو بندہ مومن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو نماز سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ اور رب تعالےٰ کو بہت ناپسند اس ہی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وقت مکروہ میں نماز پڑھنے لگے۔ تو اسے نہ روکو تاکہ اس آیت کی زد میں نہ آجاؤ۔ جب نماز پڑھ چکے تو مسئلہ بتا دو (شامی وغیرہ) اس سے وہابیوں کو عبرت پکڑنا چاہیئے۔ جو مسافر مسلمانوں کو سنت و نفل سے بہت سختی سے روکتے ہیں۔ بلکہ لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ آخر وہ نماز ہی تو ہے۔ اس سے اتنی چڑ کیوں ہے۔

نمبر ۲۔ رب تعالےٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مُّهِيْنٍ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ۔

اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل۔ چغل خور۔ بھلائی سے روکنے والا حد سے آگے بڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیئے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا وہابیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے۔ سینما۔ جوئے اور شراب سے نہیں چڑتے، چڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنت، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان ان کی

بات ہرگز نہ مانے۔ اس آیت پر عمل کرے۔

نمبر ۳۔ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نمازیں قائم کریں اچھی باتوں کا حکم دیں۔ بری باتوں سے روکیں۔

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے۔ تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں۔ سفر میں سنت ونفل نماز پڑھنے سے۔ اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے۔ میلاد شریف ختم وفاتحہ و تلاوتِ قرآن سے۔ کن چیزوں کا حکم دیں؟ گندے کنوؤں سے وضو کرنے کا۔ کوّے خصیے کھانے کا لڑکے پیشاب اور منی کے پاک سمجھنے کا۔ اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث ۴ و ۵: ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔ مگر قدرے لفظی اختلاف سے

قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّیْتُ مَعَہٗ فِی الْحَضَرِ الظُّھْرَ اَرْبَعًا وَبَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ وَصَلَّیْتُ مَعَہٗ فِی السَّفَرِ الظُّھْرَ رَکْعَتَیْنِ وَبَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ وَالْعَصْرَ رَکْعَتَیْنِ وَ لَمْ یُصَلِّ بَعْدَھَا شَیْئًا وَالْمَغْرِبَ فِی الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلٰثَ رَکَعَاتٍ وَلَا یَنْقُصُ فِیْ حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَھِیَ وِتْرُ النَّھَارِ وَبَعْدَھَا رَکْعَتَیْنِ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا۔ اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

وَصَلَّی الْعِشَاءَ رَکْعَتَیْنِ وَبَعْدَھَا

حضور علیہ السلام نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھیں

رَكْعَتَيْنِ۔ | اسکے بعد دو رکعتیں۔

دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو۔ عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں۔ اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہوتا تو سرکار پُرانوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ وہابی سنت سے چڑتے ہیں۔

نمبر ۶ و ۷۔ ابوداؤد و ترمذی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهٗ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کیئے۔ میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو نفل چھوڑے ہوں۔

نمبر ۸ ابوداؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ وَأَرَادَ أَنْ يَّتَطَوَّعَ إِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناقہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرما دیتے۔ پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔

۹ و ۱۰۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِيْ إِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ

فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے۔ تہجد کی نماز سوائے فرض کے۔ وتر بھی سواری پر پڑھتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سفر میں راستہ طے کرتے ہوئے۔ نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ ٹھہرے ہوئے مسافر کو سنت مؤکدہ تک سے روکتے ہیں

نمبر ۱۱۔ مؤطا امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ | فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر اپنے

يَرٰى ابْنَهٗ عُبَيْدَ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔

فرزند عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تھے تو آپ منع نہ فرماتے تھے۔

نمبر ۱۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ و سلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اسکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے

نمبر ۱۳ و ۱۴۔ مسلم و ابوداؤد نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے سفر میں تعریس کی رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جسکے بعض الفاظ یہ ہیں۔

صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ كَمَا كَانَ يُصَلِّيْ۔

حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔

نمبر ۱۵ تا ۱۸۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابن ابی لیلیٰ رضی سے روایت کی۔

قَالَ مَا أَخْبَرَنَا أَحَدٌ أَنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الضُّحٰى غَيْرُ أُمِّ هَانِيٍّ ذَكَرَتْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ فِي بَيْتِهَا فَصَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ۔

فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سواء اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا۔ ام ہانی فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں۔ اس کے باوجود حضور علیہ السلام نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ نماز چاشت نفل ہے۔

نمبر ۱۹۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الْحَضَرِ وَصَلٰوۃَ السَّفَرِ فَکُنَّا نُصَلِّیْ فِی الْحَضَرِ قَبْلَھَا وَبَعْدَ ھَا وَکُنَّا نُصَلِّیْ فِی السَّفَرِ قَبْلَھَا وَبَعْدَ ھَا۔

فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وطن میں بھی نماز فرض ادا فرمائی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔

نمبر ۲۰۔ بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی التَّطَوُّعَ وَھُوَ رَاکِبٌ فِیْ غَیْرِ الْقِبْلَۃِ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت و نفل کی نہ تو معافی ہو اور نہ قصر چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو دو رکعت فرض کی گئیں۔ پھر سفر میں تو وہ ہی دو رہیں۔ حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کردی گئی اور ظاہر ہے۔ کہ معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں۔ نہ کہ سنّت و نوافل وغیرہ۔ لہٰذا قصر صرف فرض میں ہوا نہ کہ نفل و سنّت میں دوسرے یہ کہ بحالتِ سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں، غیر قبلہ کی طرف ادا نہیں ہو سکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہیں، فرض کے لیئے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے۔ جس سے دیر لگتی ہے۔ اس لیئے وہ نماز آدھی کردی گئی۔ چونکہ سنت و نفل کے لیئے سفر توڑنا نہیں پڑتا سواری پر ادا ہو جاتی ہیں۔ اس لیئے نہ تو ان میں قصر کی ضرورت ہے، نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے۔ تو سنتیں بھی کم ہونی چاہئیں غلط ہے، دیکھو جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رکعت ہیں، مگر سنت کوئی کم نہیں ہوئی۔ فرض علیحدہ نماز ہے اور سنت و نفل علیحدہ یعنی سنت و نفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پورے پڑھے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل معاف ہو جاویں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں۔ جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں، ہم ان کی وکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ مسلم وبخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عاصم سے روایت کی۔

قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي طَرِيْقِ مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهٗ وَجَلَسَ فَرَاٰى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ۔

فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز ہی پوری پڑھتا میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل وسنت پڑھنا سنت رسول (علیہ السلام) وسنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے۔ اس لئے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے۔ اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبداللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضور پر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؟ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؟ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو، تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دو روائتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہو گی نہ نفی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں، کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔ دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کی قائل ہے؟ کیوں! اس لیئے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنے کیئے جاویں، جن سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو تمہاری اس حدیث کے معنے یہ ہیں، کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا، ان کے لئے سفر توڑنا باقاعدہ اتر کر، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ تعالےٰ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہ ہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا۔ حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا راستہ بہت تھا جلد پہنچنا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لیئے آپ نے یہ فرمایا لہٰذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے، نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ تمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس فرما کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا، تو نماز فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراض نمبر ۲۔ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہو گئی۔ تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں۔ چاہیئے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں۔ یا بالکل معاف ہو جاویں۔

جواب ۔ الحمد للہ کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جیسے آپ ولیسا آپ کا قیاس بہتر تھا۔ کہ مجتہدین آئمہ کی تقلید کر لی ہوتی تاکہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرنے پڑھتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں۔ باقی خالی مگر سنّت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمائیے، وہاں سنّت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوئیں۔ وہاں بھی کہدو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہیں تو چاہیئے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے گھٹنے کے بڑھ جاتی ہیں، کہ بعد فرض جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں، چاہیئے کہ وہاں بھی یہ ہی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رہ گئے تو چاہیئے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت و نفل میں قصر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلی فصل کی عقلی دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لیئے سفر توڑنا نہیں پڑتا۔ سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس لیئے ان میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نوٹ ضروری ۔ یہ جو کہا گیا کہ نفل و سنت سواری پر پڑھی جا سکتی ہیں۔ سواری کا رُخ کدھر ہی ہو۔ یہ مسافر کے لیئے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے۔ جبکہ وہ جنگل میں ہو۔ شہر میں۔ یا کسی جگہ ٹھہرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں۔ اگر مسافر کسی بستی میں دو چار دن کے لیئے ٹھہرا ہوا ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط وار ارکان کے ساتھ ادا کرے گا۔ غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چار دن کے لیئے ٹھہرا ہوا ہو

سنت و نفل نہ پڑھے۔

اعتراض نمبر ۳۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، جب رب تعالےٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کر دی تو چاہیئے کہ حضور بھی اپنی سنتوں میں کمی کر دیں۔ سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب:۔ جی ہاں چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ اس لیئے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نماز رحمت ہے۔ بوجھ نہیں شاید وہابیوں کے نفس پر نماز بوجھ ہو گی۔ اس لیئے انہیں ایسے سوالات سوجھتے ہیں۔ جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں، اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے۔ سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں مرتا ہے اور ان شاء اللہ سنت والے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی پشت و پناہی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو ختنہ۔ عقیقہ بچے کو دو سال تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں، پھر مرتے وقت وضو۔ کعبہ کو رخ ہونا مرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لیئے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور کی سنت رحمت ہے، بوجھ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالےٰ مالک الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لیئے پوری مسافر کے لیئے آدھی۔

سترہواں باب ۱۷

سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، اگر بھول کر بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہ ہی حکم ہو گا، جو کوئی فجر کے فرض

چار پڑھ لے کہ اگر پہلی التحیات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر دیدہ دانستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں، کہ مسافر کو اختیار ہے۔ خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات وجوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں، جن میں سے کچھ پیش کیئے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۴۔ بخاری، مسلم، مؤطا امام محمد، موطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُرِضَتْ اَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى	فرماتی ہیں کہ اوّلاً نماز دو دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور نے ہجرت کی تو نمازیں چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور نماز سفر پہلے ہی فریضہ پر رہی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کی دو رکعتیں تھیں۔ بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کردی گئیں۔ مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی۔ ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی۔ لفظ فرض۔ اور فریضہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔

مؤطا امام محمد وامام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَاُقِرَّتْ	اوّلاً سفر وحضر میں نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی۔ اور

صَلٰوةَ السَّفَرِ وَزِيْدَ فِي صَلٰوةِ الْحَضَرِ | نماز حضر میں زیادتی کر دی گئی۔

حدیث نمبر ۵ تا ۷۔ مسلم شریف۔ نسائی۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے نبی کی زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض کیں (یعنی جماعت سے ایک رکعتہ)

اس میں صراحتہً معلوم ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ۸ تا ۱۳۔ مسلم بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ۔

فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف گئے تو حضور انور دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۶۔ بخاری۔ مسلم۔ نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ اِمَارَتِهٖ ثُمَّ اَتَمَّهَا۔

فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع کر دی

حدیث نمبر ۱۷۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ اِفْتَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ كَمَا افْتَرَضَ فِي الْحَضَرِ اَرْبَعًا۔

فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعت ہی فرض فرمائیں جیسے وطن میں چار رکعت فرض کیں۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۰ - نسائی ابن ماجہ - ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلٰوةُ السَّفَرِ رَكْعَتَانِ وَصَلٰوةُ الضُّحٰى رَكْعَتَانِ وَصَلٰوةُ الْفِطْرِ رَكْعَتَانِ وَصَلٰوةُ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَانِ تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔	فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ چاشت کی نماز دو رکعتیں عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں، یہ دو رکعتیں پوری ہیں ناقص نہیں، حضور محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان شریف پر۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ نماز سفر دو رکعت پڑھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے جمعہ عیدین دو رکعت پڑھنا۔

حدیث نمبر ۲۱ - مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دراز حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ شریفہ یہ ہیں۔

فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهٖ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ۔	میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے جو صدقہ فرمایا اس صدقہ کو قبول کرو

اس حدیث میں فاقبلو صیغہ امر ہے۔ امر وجوب کے لیئے آتا ہے معلوم ہُوا کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالٰے کے صدقہ سے منہ پھیرتا ہے، رب کا صدقہ قبول کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲ - طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ اَبِيْ بَكْرٍ رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمُ السُّبُلُ فَوَاللّٰهِ لَوَدِدْتُ اَنْ اُحْظٰى مِنْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ	میں نے سفر میں حضور کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر صدیق عمر فاروق کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے متفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمنّی کرتا ہوں۔ کہ مجھے بجائے چار رکعتوں کے دو مقبول

رَکْعَتَیْنِ مُتَقَبَّلَتَیْنِ۔ | رکعتوں کا حصہ ملے۔

ہم نے بطورِ نمونہ صرف بائیس حدیثیں پیش کیں۔ ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔ ان پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ سفر میں قصر ہی فرض ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین نے قصر ہی پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا۔ یا اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے۔ مسافر کو قصر و اتمام دونوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لیئے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں بالاتفاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں، یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں فرض ہیں، اختیار نہیں ہوتا۔ فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں، تو ایک تحریمہ سے فرض و نفل نمازوں کا ادا ہونا شرعی قاعدے کے خلاف ہے۔ جس کی مثال کسی جگہ نہ ملے گی، فرض کی تکبیر تحریمہ علیحدہ ہوتی ہے، نفل کی علیحدہ ایک تحریمہ سے ایک ہی نماز ہوسکتی ہے، نہ کہ دو۔

بہر حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اختیار نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات معہ جوابات عرض کیئے دیتے ہیں، جو انشاء اللہ خود انہیں بھی یاد نہ ہوں گے۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ | اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔	نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں۔ بلکہ اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر نہ پڑھنے میں۔

جواب ۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں قصر کے لیئے کفار کے خوف کی شرط ہے، کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہے،

دوسرے یہ کہ یہ لَا جُنَاحَ حاجی کے صفا مروہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے رب فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا	تو جو بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے، اس پر اس میں گناہ نہیں کہ صفا و مروہ کا طواف کرے۔

حالانکہ صفا مروہ کا طواف حج میں واجب ہے عمرہ میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے لا جناح فرضیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر صرف مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے، کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں، ورنہ فرض کام کرنے میں گناہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے، لہذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، چوتھے یہ کہ زمانہ نبوی میں صحابہ کرام کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں سمجھانے کے لیئے یہ ارشاد ہوا لہذا آیت بالکل واضح ہے۔ تمہارے لیئے مفید نہیں۔

اعتراض نمبر ۲ ۔ شرح سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قَالَتْ كُلَّ ذٰلِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ	فرماتی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلٰوةَ وَاَتَمَّ۔	سب کچھ کیا، قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت، صرف قصر فرض نہیں،

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن یحییٰ ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بالکل قابل عمل نہیں، دیکھو مرقات شرح مشکوٰۃ اسی حدیث کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف ہے، جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں، کہ اولاً نماز دو دو رکعت فرض ہوئی پھر سفر میں وہ ہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں۔ اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں، لہٰذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا، لہٰذا حدیث کے معنے یہ ہیں، کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے شروع اسلام میں اولاً قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی، پھر جب رکعتیں بڑھا دی گئیں کہ بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور علیہ السلام نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہو گئی اور گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراد، تب بھی مطلب یہ ہو گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمالی، تو اتمام فرمایا اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

لطیفہ عجیبہ۔ غیر مقلد وہابی ہمیشہ حنفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ

کیا کرتے ہیں، مگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے، تو بخاری مسلم کی ہو، یا نہ ہو، صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے، کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے، اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنا فعل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقْصُرُ فِي السَّفَرِ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهٖ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَكْثَرِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ۔	حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث یہ ہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابوبکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع خلافت میں اور اس ہی اکثر علماء صحابہ وغیر صحابہ کا عمل ہے۔

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں

وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُتِمُّ الصَّلٰوةَ فِي السَّفَرِ۔	ہاں عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہا) سے روایت ہے آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابلِ اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوع کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل شریف کا ذکر نہ فرماتے۔

پُر لطف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰى مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابِهٖ۔	عمل اس پر ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی (قصر)

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں، بلکہ آپ ہمیشہ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔ اہل علم

نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔
اعتراض نمبر ۳۔ نسائی و دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عُمْرَۃِ رَمَضَانَ فَطَرَ وَصُمْتُ وَقَصَرَ وَاَتْمَمْتُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَصَرْتَ وَاَتْمَمْتُ وَاَفْطَرْتَ وَصُمْتُ قَالَ اَحْسَنْتِ یَا عَائِشَۃُ وَمَا عَابَ عَلَیَّ۔

فرماتی ہیں کہ میں حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا، میں نے رکھا، آپ نے نماز قصر پڑھی۔ میں نے پوری پڑھی یعنی اتمام کیا، تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ نے قصر کیا، میں نے پوری پڑھی، آپ نے افطار کیا، میں نے روزہ رکھا فرمایا اے عائشہ تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور اتمام بھی۔
جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کل چار عمرے کیے ہیں، جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے، البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احرام تو ذی قعدہ میں تھا، اور افعال عمرہ ذی الحجۃ میں ادا ہوئے۔ خصوصًا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا رمضان کے عمرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور پیچیدہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل فرما سکتے ہیں، وہابیو! پہلے اپنی بات عقل کی ترازو میں تو لو، بعد کو بولو
اعتراض نمبر ۴۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِنٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِہٖ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰی بَعْدُ اَرْبَعًا فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰی مَعَ

فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ ابوبکر صدیق نے ان کے بعد عمر فاروق نے اور عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں، پھر حضرت عثمان نے چار رکعتیں منیٰ میں پڑھیں، حضرت ابن عمر جب امام کے

اَلْاِمَامِ صَلّٰی اَرْبَعًا وَاِذَا صَلّٰی وَحْدَهٗ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ	ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔

اگر سفر میں قصر فرض اور اتمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ منیٰ شریف میں اتمام کیوں کرتے ؟۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار دیا ہے، کہ چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو اتمام نہ کیا۔ پھر جب پوری پڑھنے لگے۔ تو کبھی قصر نہ پڑھی۔ اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا۔ آپ کا اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صرف منیٰ شریف میں اتمام کیا عام سفروں میں نہیں، معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی سفر میں اتمام کے قائل نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف منیٰ شریف میں اتمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا منیٰ میں اتمام فرمانا اس لیئے نہ تھا کہ آپ قصر و اتمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دو روائیتیں ہیں امام احمد ابن حنبل نے روایت کی، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت پڑھیں، تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں اہل والا ہو گیا ہوں، اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا ہے، کہ جو کوئی کسی شہر میں گھر والا ہو جاوے، وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں

اَنَّهٗ صَلّٰی بِمِنٰی اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ فَاَنْکَرَ النَّاسُ عَلَیْهِ فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ	حضرت عثمان نے منیٰ شریف میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ

تَاَهَّلْتُ بِمَكَّةَ مُنْذُ قَدِمْتُ وَاِنِّیْ سَمِعْتُ الخ (مرقاۃ۔ فتح القدیر)	نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں گھر والا ہو گیا ہوں۔

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے، اتمام کبھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے مکہ معظمہ میں زمین خریدلی، وہاں مکان بنوالیا، وہاں اپنی ایک بیوی کو رکھا۔ اس لئے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لئے بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا، لہٰذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ کا یہ عمل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے، کہ زمانہ عثمانی کے نومسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا، کہ اسلام میں نمازیں دو دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا، تو آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے صرف منیٰ میں اتمام کیا، یعنی چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ عبدالرزاق اور دار قطنی نے ابن جریج سے روایت کی۔

بَلَغَنِیْ اَنَّهٗ اَوْفٰی اَرْبَعًا بِمِنًى فَقَطْ مِنْ اَجْلِ اَنَّ اَعْرَابِیًّا نَادَاهُ فِیْ مَسْجِدِ خَیْفٍ بِمِنًى یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَازِلْتُ اُصَلِّیْهَا رَكْعَتَیْنِ مُنْذُ رَاَیْتُكَ عَامَ الْاَوَّلِ صَلَّیْتَهَا رَكْعَتَیْنِ فَخَشِیَ عُثْمَانُ اَنْ یَظُنَّ جُهَّالُ النَّاسِ الصَّلٰوةَ رَكْعَتَیْنِ وَاِنَّمَا كَانَ اَوْفَاهَا بِمِنًى۔	مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰے عنہ نے صرف منیٰ میں ہی چار رکعتیں پڑھیں، کیونکہ ایک دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا کہ میں تو برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا، تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا۔ کہ جہلاء نماز کی دو رکعتیں ہی سمجھ لیں گے اس لئے آپ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں

امام احمد اور عبدالرزاق کی یہ دونوں روائتیں اس طرح جمع کی جاسکتی ہیں، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی

اللہ تعالےٰ عنہ کو لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر بار بنالیا تاکہ آپ یہاں آکر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵ - جیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے، نہ قضا کرنا فرض، ایسے ہی چاہیئے، کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو، کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب - شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو روزے کی قضاء پہ قیاس کرنے لگے، مقلد حنفی قیاس کو مانیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو پختہ توحیدیئے رہیں، افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے، اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، لیکن فرض نماز سفر میں آدھی معاف ہو گئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیئے نہ وطن پہنچ کر، معافی اور چیز ہے، تاخیر کی اجازت کچھ اور، لہٰذا نماز کے قصر کو روزے کی تاخیر پر قیاس کرنا مع الفارق ہے، مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا، ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر روزہ فرض ہے۔

مگر یہ دو رکعتیں اسے معاف ہیں، اس لیئے ان کی قضاء نہیں لہٰذا یہ رکعتیں اس کے لیئے نفل ہیں، اور نفل نماز فرض کے تحریمہ سے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ - مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضاء شروع کر دے۔ اگر سفر میں آٹھ روزے قضا ہو گئے، پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہو گیا۔ تو قیامت میں ان چار روزوں کی پکڑ ہو گی، باقی چار روزوں پر پکڑ نہیں کہ ان کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ ہی بیمار اور حائضہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضاء

شروع کر دیں۔

اٹھارہواں باب ۱۸

نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے، کہ نماز فجر خوب اوجیالے میں پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جماعت کھڑی ہو، مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیئے۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات

نوٹ ضروری:۔ خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سواء تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین غور کریں، کہ مذہب حنفی کتنا پختہ اور مدلّل ہے۔

پہلی فصل

نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں۔ اس پر بہت احادیث شاہد ہیں، جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر ۱ تا ۸۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، ابو داؤد طیالسی و طبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّہٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ

وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز فجر خوب اوجیالا کرکے پڑھو، کہ اس کا ثواب زیادہ ہے، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

خیال رہے کہ اس حدیث میں اوجیالا کرنے سے مراد خوب اوجیالا کرنا ہے۔ جب کہ روشنی پھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اوجیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہی روشنی ہے، جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۰۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی صَلٰوۃً بِغَیْرِ وَقْتِھَا اِلَّا بِجَمْعٍ فَاِنَّہٗ جَمَعَ بَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَیُصَلِّیْ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِھَا۔

میں نے حضور صلے علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سواء مزدلفہ کے کہ وہاں حضور نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دسویں ذوالحجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معتاد سے پہلے اگر حضور ہمیشہ ہی اوّل وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی۔ کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں،

خیال رہے کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی، بلکہ روزانہ کے وقت معہود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

نمبر ۱۱ تا ۱۴۔ ابوداؤد۔ طیالسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن راہویہ۔ طبرانی نے معجم میں حضرت رافع ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ یَا بِلَالُ نَوِّرْ بِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ حَتّٰی یُبْصِرَ الْقَوْمُ مَوَاقِعَ نَبْلِھِمْ مِنَ الْاِسْفَارِ

فرماتے ہیں، کہ حکم دیا حضور نے حضرت بلال کو فرمایا اے بلال نماز صبح میں اوجیالا کر لیا کرو، یہاں تک کہ لوگ اوجیالے کی وجہ سے اپنے پھینکے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا۔ جبکہ تیر انداز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب خوب روشنی پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَوَّرَ بِالْفَجْرِ نَوَّرَ اللّٰہُ فِیْ قَبْرِہٖ وَقَلْبِہٖ وَقِیْلَ فِیْ صَلٰوتِہٖ

فرماتے ہیں۔ کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے، کہ اس کی نماز میں روشنی کرے۔

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷۔ طبرانی نے اوسط میں اور بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَا اَسْفَرُوْا بِصَلٰوۃِ الْفَجْرِ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میری امت دین فطرت پر رہے گی جب تک کہ نماز فجر اوجیالے میں پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۳۔ طحاوی۔ بخاری۔ مسلم۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے تھوڑے فرق سے حضرت یسار ابن سلامہ سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ عَلٰی اَبِیْ بَرْزَۃَ یَسْئَلُہٗ اَبِیْ عَنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ یَنْصَرِفُ مِنَ

میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو برزہ صحابی کے پاس گیا، میرے والد ان سے حضور کی نماز متعلق پوچھتے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ حضور

صَلٰوۃِ الصُّبحِ وَالرَّجُلُ یَعرِفُ وَجہَ جَلِیسِہٖ وَکَانَ یَقرَأُ فِیھَا بِالسِّتِّینَ اِلَی المِائَۃِ

نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا، حالانکہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ساٹھ سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے

حدیث نمبر ۲۴۔ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن یزید سے روایت کی۔

قَالَ کُنَّا نُصَلِّی مَعَ ابنِ مَسعُودٍ فَکَانَ یُسفِرُ بِصَلٰوۃِ الصُّبحِ

فرماتے ہیں، کہ ہم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے، آپ خوب اجیالے میں نماز پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابوعثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّیتُ خَلفَ عُمَرَ الفَجرَ فَمَا سَلَّمَ حَتّٰی ظَنَّ الرِّجَالُ ذُوُو العُقُولِ اَنَّ الشَّمسَ طَلَعَت فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوا یَا اَمِیرَ المُؤمِنِینَ کَادَتِ الشَّمسُ تَطلُعُ قَالَ فَتَکَلَّمَ بِشَیٍٔ لَم اَفھَمہُ فَقُلتُ اَیَّ شَیٍٔ قَالَ قَالُوا لَو طَلَعَتِ الشَّمسُ لَم تَجِدنَا غَافِلِینَ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر پڑھی، تو آپ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین سورج نکلنے ہی والا ہے، آپ نے کچھ فرمایا جو میں نہ سمجھ سکا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، کہ حضرت عمر نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۶۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلّٰی بِنَا اَبُوبَکرٍ صَلٰوۃَ الصُّبحِ فَقَرَأَ اٰلَ عِمرَانَ فَقَالُوا کَادَتِ الشَّمسُ تَطلُعُ قَالَ لَو طَلَعَت لَم تَجِدنَا غَافِلِینَ

فرماتے ہیں، کہ ہم کو ابوبکر صدیق نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے آپ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہمکو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۷ تا ۲۸۔ طحاوی اور ملا خسرو محدث نے اپنی مسند میں امام اعظم ابوحنیفہ

سے انہوں نے حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی شَیْءٍ کَاجْتِمَاعِھِمْ عَلَی التَّنْوِیْرِ فِی الْفَجْرِ وَالتَّعْجِیْلِ فِی الْمَغْرِبِ قَالَ الطَّحَاوِیُّ لَا یَصِحُّ اَنْ یَّجْتَمِعُوْا عَلٰی خِلَافِ مَا کَانَ عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں، کہ یہ ناممکن ہے، کہ صحابہ کرام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتی کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا، کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹۔ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُوْلُ یَا قَنْبَرُ اَسْفِرْ اَسْفِرْ

فرماتے ہیں، میں نے حضرت علی مرتضے کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے۔ اے قنبر اوجیالا کرو اوجیالا کرو۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اَسْفِرْ دوبار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ انتیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں۔ اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔ بہرحال پتہ لگا کہ اوجیالے میں فجر پڑھنا۔ سنت رسول اللہ سنتِ صحابہ اور صحابہ کرام کا اتفاقی عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیالے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اوجیالا اور روشنی، لہذا نماز فجر اوجیالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہوگا۔ اور اندھیرے میں پڑھنا۔ نام کے مخالف ہے۔ دوسرے یہ کہ اوجیالے

میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔ اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء بعض کو غسل وضو کرنا سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں۔ اوّل وقت فجر کی جماعت کر لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔ اوجیالے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو دراز قرأت سے اس لئے منع فرمادیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی۔ جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے۔ اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہذا اسفار بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اوجیالے میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شہید کیا گیا، تو صحابہ کرام نے فجر میں بہت اوجیالا کرنے کا اہتمام کیا۔ دیکھو۔ طحاوی شریف صحیح البخاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے۔ مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔ مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے، فجر کاروبار کھلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا۔ اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیالے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیالے میں پڑھنا بہتر ہے

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب

تاخیر فجر پر اب تک وہابیوں غیر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہوا۔ تو

انشاء اللہ تیسرے اڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْھَا اَلصَّلٰوۃُ اِذَا اَتَتْ وَالْجَنَازَۃُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَھَا کُفُوًا۔	کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ۔ نماز جب اس کا وقت آجاوے، جنازہ جب حاضر ہو لڑکی کا نکاح جب اس کے لئے کفو مل جاوے۔

نیز اسی ترمذی میں سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوۃِ رِضْوَانُ اللّٰہِ وَالْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰہِ۔	فرماتے ہیں، کہ فرمایا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا و خوشنودی ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالےٰ کی معافی ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اوّل وقت پڑھنی چاہیئے۔ حنفی لوگ فجر دیر میں پڑھ کر رب تعالےٰ کی رضا مندی سے محروم ہیں۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم ہو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اوّل وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے، نہ کہ مطلق وقت کا اوّل یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جائے تب دیر نہ لگاؤ۔ نماز فجر میں روشنی ہی اوّل وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لئے تہائی رات اول وقت ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز فجر غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہٰذا حنفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے

جواب۔ اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ غلس کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز فجر روشنی میں

ہی پڑھتے تھے۔

مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا۔ کیونکہ مسجد نبوی شریف بہت گہری بنی ہوئی تھی۔ چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا رہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے۔ صحن دور ہے، اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ دوسرے یہ کہ اگر غلس سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی حضور نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو اوجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے، کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو، سرکار نے خود نو بیویاں نکاح میں رکھیں، مگر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے۔ یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ قول عمل پر راجح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیالے میں فجر پڑھتے تھے، حالانکہ انہوں نے حضور کا یہ عمل شریف دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ حدیث قولی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے۔ دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کیخلاف ہے، اوجیالے میں ہونا قیاس کے مطابق لہٰذا اوجیالے والی حدیث کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے، جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا۔ پہلی حدیث خلاف قیاس ہے۔ دوسری مطابق قیاس لہٰذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ غلس سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشنی کی حدیث کو ہے۔

ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ جیسے ہم نے اوجیالے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں، بہت احادیث پیش کر دیں، جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لیئے ہیں اور اوجیالے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لیئے، لہذا دونوں حدیثیں موافق ہیں، مخالف نہیں، یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر عمل فرمایا اور اوجیالے میں فجر پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۳۔ مسلم و بخاری نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّى الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔

فرماتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں

معلوم ہوا کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب ساٹھ یا سو آئتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو، تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جا سکے، حنفی اتنا اوجیالا کرکے فجر پڑھتے ہیں، کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب:۔ اس کے جوابات اعتراض ۲ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو ترجیح ہے، وغیرہ، یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت نماز میں حاضری کا حکم تھا، ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہو گئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور

اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراض نمبر۴:۔ ترمذی شریف نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ۔

فرماتی ہیں کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصًا نمازِ فجر اول وقت پڑھنا حضور علیہ السلام کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ حنفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں، کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہٰذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے۔ اس لیئے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ۔

ابو عیسٰے نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لِاَنَّهٗ لَمْ يَثْبُتْ مُلَاقَاةُ اِسْحٰقَ مَعَ عَائِشَةَ (رضی اللہ تعالٰی عنہا)

کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ سے ثابت نہ ہوئی

لہٰذا یہ حدیث قابلِ عمل نہیں، افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ایسی ضعیف اور ناقابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے، کیونکہ حضور صلے اللہ

علیہ وسلم نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں، جب حضرت جبریل نماز کے اوقات عرض کرنے آئے، تو انہوں نے دو دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نمازیں پڑھائیں، پہلے دن تمام نمازیں اوّل وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس ٹھہرایا، ایک دن نمازیں اوّل وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت، تعریس کی رات میں حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضاء کر کے پڑھیں، عام طور پر سفر میں حضور علیہ السلام نماز ظہر آخر وقت اور عصر اوّل وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت، عشاء اوّل وقت پڑھتے تھے، ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لیئے بالکل آخر وقت تشریف لائے، اور بہت جلد فجر پڑھائی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت ہمارے سینۂ اقدس پر رکھا (مشکوٰۃ باب المساجد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بارہا نمازیں آخر وقت میں پڑھیں، اور اس حدیث میں ہے، کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دوبار بھی نہ پڑھی، لہٰذا یہ روایت ناقابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، پھر تم نماز عشاء آخر وقت یعنی تہائی رات گئے پڑھنا، مستحب کیوں کہتے ہو، اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں بتاتے ہو۔ جو جواب تمہارا ہے، وہ ہی جواب ہمارا۔

اعتراض نمبر ۵:۔ تم نے جو حدیث پیش کی تھی، کہ فجر کو اوجیالے میں پڑھو، اس میں اوجیالے سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے، جس سے وقت فجر آجانا، یقینی ہو جاوے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شک کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ جب یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی مراد نہیں، جو حنفیوں نے سمجھی، یعنی خوب اوجیالا بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہ ہی مطلب بیان کیا۔

جواب:۔ ہرگز نہیں، کیونکہ اتنا اوجیالا کرنا تو فرض ہے، شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں، اور یہاں فرمایا گیا، کہ اس اوجیالے کا ثواب زیادہ ہے، یعنی یہ اوجیالا مستحب ہے نہ کہ فرض۔ لہٰذا اس اجیالے سے مراد وہ ہی روشنی صبح ہے، جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے اور جو ہم نے معنے کیئے، وہ ہی درست ہیں۔ حدیث سمجھنے کے لیئے تفقہ ضروری ہے۔

انیسواں باب ۱۹

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے، جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایۂ کے علاوہ دوگنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیر سے پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے، کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر چلچلاتی دوپہر ہی میں پڑھ لیتے ہیں، اور ایک مثل سایۂ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح حنفیوں کو بہکاتے ہیں۔ کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لیئے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات، حنفیوں کو چاہیئے کہ اپنے دلائل اور وہابیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

پہلی فصل

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے، لہٰذا اس زمانہ میں سورج ڈھلتے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے، لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے اور دوپہر کا جوش کم ہو جاوے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱ تا ۵۔ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھو، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نمبر ۶ تا ۱۰۔ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم بخاری، نسائی بیہقی نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم قَالَ شِدَّۃُ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّھْرِ وَاشْتَکَتِ النَّارُ اِلٰی رَبِّھَا فَقَالَتْ رَبِّ اَکَلَ بَعْضِیْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَھَا بِنَفَسَیْنِ نَفَسٍ فِی الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِی الصَّیْفِ الخ

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے، لہٰذا ظہر ٹھنڈی کرو آگ نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اسے دو سانسوں کی اجازت دی، ایک سانس سردی میں ایک سانس گرمی میں۔

نمبر ۱۱۔ نسائی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا کَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوۃِ وَاِذَا کَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔

فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ٹھنڈی کرکے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے

ان احادیث سے معلوم ہوا، کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

نمبر ۱۲ تا ۱۹۔ بخاری، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طحاوی، ابوعوانہ بیہقی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَاَرَادَ الْمُؤَذِّنُ اَنْ

فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر

يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُؤَذِّنَ فَقَالَ اَبْرِدْ حَتّٰى رَاَيْنَا فَيْئَ التُّلُوْلِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْهَا بِالصَّلٰوةِ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

کی اذان دینی چاہی، تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ٹھنڈا کرو، پھر انہوں نے اذان کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے۔ پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ٹھنڈی کیا کرو، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن وصحیح ہے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَجِّلُهَا فِي الشِّتَاءِ وَيُؤَخِّرُهَا فِي الصَّيْفِ۔

انہوں نے دیکھا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں دیر سے پڑھتے تھے

اس کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں، مگر اختصاراً انہیں بیس حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں، اگر تفصیل دیکھنی ہو، تو صحیح البہاری۔ طحاوی وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ خیال رہے۔ کہ نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر کی طرح ہے۔ کہ گرمیوں میں ٹھنڈک کرکے پڑھی جاوے بعض لوگ سخت گرمی میں بھی جمعہ کی نماز بالکل اول وقت پڑھ لیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے غیر مقلد وہابی تو زوال سے پہلے بھی نماز جمعہ پڑھ لینے سے گریز نہیں کرتے۔
بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ۔

فرماتے ہیں کہ جب سخت ٹھنڈک ہوتی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نماز جلد پڑھتے تھے۔ اور جب گرمی تیز ہوتی تو نماز ٹھنڈی کرکے پڑھتے تھے یعنی نماز جمعہ۔

غرضیکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی طرح سردیوں میں جلد اور گرمیوں میں کچھ دیر کرکے گرمی کی تیزی ٹوٹ جانے

پر پڑھنی چاہیئے۔

عقل کا تقاضاء بھی یہ ہی ہے، کہ نماز ظہر گرمیوں میں ٹھنڈی کرکے پڑھنا چاہیئے، کہ تیز گرمی میں ظہر پڑھنا مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہے، اس سے جماعت گھٹ جانیکا اندیشہ ہے، کیونکہ گرمیوں میں عام کاروباری لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ یعنی دوپہر میں آرام کرتے ہیں، اور دوپہر کی تپش گھر میں گذارنا چاہتے ہیں، اگر اس حالت میں نماز ظہر پڑھی جاوے تو وہ لوگ سنت قیلولہ سے بھی محروم رہیں گے اور ان پر اس وقت مسجد کی حاضری گراں بھی پڑے گی ایسے موقعہ پر شریعت مطہرہ آسانی کر دیتی ہے۔

نتیجہ۔ مذکورہ بالا احادیث شریفیہ اور دلیل عقل سے معلوم ہوا، کہ نماز ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہوتا ہے، اس کی چند دلیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھتے تھے، اور اس کا حکم دیتے تھے، اور ظاہر ہے کہ تمام جگہ خصوصًا ملکِ عرب میں ایک مثل سایہ کے بعد دوپہر کی تپش ٹوٹتی ہے، ایک مثل تک سخت بھڑک رہتی ہے۔ اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ احادیث غلط ہوں گی۔

دوسرے یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز ظہر پڑھی۔ جب ٹیلوں کا سایہ نمودار ہو گیا، ایک مثل سایہ کے وقت ٹیلے کا سایہ نمودار نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھیلاوے کی وجہ سے اس کا سایہ ایک مثل کے بعد ظاہر ہو سکتا ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ حدیث بھی غلط ہو گی۔

تیسرے یہ کہ نماز عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہیئے، اگر ایک مثل پر وقت عصر ہو جایا کرے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی ظہر سے بڑھ جاوے گا، یہ قانون شرعی کے خلاف ہے، کیونکہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مرفوع نقل فرمائی کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کی مثال یہود و نصاریٰ کے مقابل اس طرح دی، کہ کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے دوپہر

تک ایک قیراط پر رکھے، دوسرے کو دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیراط پر رکھے، تیسرے کو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک دو قیراط اجرت پر رکھے، پہلے مزدور یہود ہیں، دوسرے مزدور نصاریٰ اور تیسرے مزدور مسلمان کہ ان کے عمل کا وقت تھوڑا، مزدوری دوگنی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

اَلَا فَاَنْتُمُ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغْرِبِ الشَّمْسِ اَلَا لَكُمُ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ۔

خبردار ہو کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے سورج ڈوبے تک کام کرتے ہو تمہاری مزدوری دوگنی ہے۔

اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا، تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ہوتا اس صورت میں مسلمانوں کی یہ مثال بیان نہ فرمائی جاتی۔ لہٰذا نماز عصر کا وقت ظہر سے کم ہونا چاہیئے یہ جب ہی ہو سکتا ہے، جب وہ دو مثل سایہ سے شروع ہو، اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جاوے، تو بخاری شریف کی یہ حدیث بھی غلط ہو جاتی ہے۔ اس لیئے ماننا پڑے گا، کہ عصر دو مثل پر شروع ہو جاتی ہے

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلد وہابیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں۔ جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز اوّل وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز۔ توبہ۔ لڑکی کا نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، ہم وہ اعتراضات مع جوابات ...... عرض کرتے ہیں، رب تعالےٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ ابوداؤد۔ ترمذی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے ایک دراز حدیث روایت کی، جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل نے مجھے دو دن نماز پڑھائی، ایک دن ہر نماز اول وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهٗ۔ | حضرت جبریل نے مجھے پہلے دن عصر اسوقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہوگیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے، اور ظہر کا وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں اس جگہ یہ بھی ہے

فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلّٰی بِیَ الظُّهْرَ حِیْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلُهٗ | جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نماز ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوگیا۔

فرمایئے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز ظہر پڑھائی۔ حالانکہ وقت عصر۔ ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے، اگر ایک مثل سایہ پر وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ كَانَ ظِلُّهٗ مِثْلَیْهِ۔ | اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہوگیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ نماز عصر کا آخری وقت، دو مثل سایہ ہے۔ حالانکہ آخری وقت سورج کا غروب ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں اوّل دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کا جو دوپہر کے وقت ہوتا ہے بالکل ذکر نہیں، حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ ایک مثل یا دو مثل اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیئے تو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہمارا

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھا دی گئی اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، ان میں ذکر ہے۔ کہ حضور نے گرمی میں نماز ظہر ٹھنڈی کرکے اور ٹیلے کا سایہ پڑ جانے پر ادا فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس

میں متعارض ہوئیں، لہذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہوگی، کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں، کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے، تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں، یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہٰذا تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے، ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ اس لیئے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے، اس قاعدہ پر صدہا مسائل نکالے گئے ہیں، سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آگیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا نکلنا مشکوک ہے، تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا۔ اور وقت عصر داخل نہ ہوگا۔ دو مثل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے۔ لہذا یہ ہی حکم قابل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اعتراض نمبر ۲۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا۔ ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے، اسی لیئے سجدے کی جگہ کپڑا یا ٹھنڈی بجری رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اول وقت ہی پڑھنی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث ناقابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی۔ وقت ٹھنڈا ہو چکتا تھا، لہذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے، جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے

اعتراض نمبر ۳۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز

عصر اونٹ ذبح کر کے بوٹیاں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا۔ جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی، کیونکہ دو مثل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا، کہ یہ کام کیئے جاویں۔ (عام وہابی)

جواب:۔ یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ نکالنا غلط۔ دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے، اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں، ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں۔ تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں، عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اونٹ کا ذبح کر لینا اور بھون کر کھا لینا غروب آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے۔ اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پھرتیلے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ مسلم بخاری میں حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے۔

قَالَ مَا كُنَّا نَقِيْلُ وَلَا نَتَغَدّٰى اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔ | ہم صحابہ نہیں قیلولہ کرتے تھے، نہ ناشتہ کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بھی بہت جلد پڑھنی چاہیئے کہ دوپہر کا آرام بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کیا جاوے، پھر تم کیسے کہتے ہو، کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے، کہ نماز جمعہ ناشتہ اور قیلولہ یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہیئے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے، کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے۔ تم بھی اتنی جلد جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی طیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام پیچھے کر دیتے تھے، نہ کہ ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے

جیساکہ تم سمجھے۔

تفسیر سے یہ کہ اس حدیث میں سردیوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی، اس لیئے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے، دوپہر کا کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے، اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیُ الْجُمُعَۃَ حِیْنَ تَزُوْلُ الشَّمْسُ | حضور صلے اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔

لہٰذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہٰذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈک کرکے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جاویگی ظہر کی طرح اب احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

بیسواں باب ۲۰

آذان و تکبیر کے الفاظ

شریعت میں آذان و اقامت کے (تکبیر) الفاظ اور احکام قریبًا یکساں ہیں، جو الفاظ آذان کے ہیں، وہ ہی تکبیر کے صرف حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دو بار زیادہ ہے اور ترجیع نہ آذان میں ہے، نہ اقامت میں، آذان کے کل پندرہ کلمے ہیں، اور اقامت کے سترہ کلمے جیساکہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کی آذان بھی اس اذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس اقامت کے سوا ہے، وہ اذان کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کی بجائے چار چار بار کہتے ہیں، اولًا دوبارہ آہستہ پھر بلند آواز سے اسے ترجیع

کہتے ہیں، یعنی پہلے اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ آہستہ کہتے ہیں۔ پھر چیخ کر ایسے ہی اشہد ان محمد رسول اللہ کو اس حساب سے ان کے نزدیک اذان کے کلمات پندرہ کے بجائے انیس ہیں اور اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح۔ ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی اذان و اقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو گالیاں دیتے ہیں، پہلی فصل میں اس مروجہ اسلامی اذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

پہلی فصل

موجودہ آذان و اقامت کا ثبوت

حق یہ ہے کہ آذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں، نہ آذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر چار بار آخر میں کلمہ لا الہ الا اللہ ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ا تا ۶ ۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان بیہقی۔ دار قطنی نے سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے روایت کی۔

اَنَّہٗ قَالَ کَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَالْاِقَامَۃُ مَرَّۃً مَّرَّۃً غَیْرَ اَنَّہٗ یَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ الخ

وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر ایک ایک بار اس کے سوا کہ تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ بھی کہتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد کہتے ہیں۔

ھٰذَا اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ سَعِیْدُ الْمَقْبُرِیِّ وَثَّقَہٗ اِبْنُ حَبَّانٍ وَغَیْرُہٗ (بہاری)

یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید المقبرای کی ابن حبان نے توثیق کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیع نہیں ورنہ اذان کے کلمات دو دو رنہ ہوتے شہادتیں چار چار بار ہوتیں، اقامت کے ایک بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاویگا

حدیث نمبر ۷ :۔ طبرانی نے معجم اوسط میں ابو محذورہ موذن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پوتہ حضرت ابراہیم ابن اسماعیل ابن عبد المالک ابن ابی محذورہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ جَدِّیْ عَبْدَ الْمَلِكِ ابْنِ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ یَقُوْلُ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَاهُ اَبَا مَحْذُوْرَةَ یَقُوْلُ اَلْقٰی عَلٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْاَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اِلٰی اٰخِرِهٖ وَلَمْ یَذْكُرْ فِیْهِ تَرْجِیْعًا۔

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبد الملک ابن ابی محذورہ کو سنا وہ فرماتے تھے، کہ انہوں نے اپنے والد ابو محذورہ کو فرماتے سنا۔ کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان کا ایک ایک لفظ بتایا، اللہ اکبر اللہ اکبر آخر تک اس میں ترجیع کا ذکر نہ فرمایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ آذان میں ترجیع کا حکم حضور نے نہ دیا لہذا ترجیع سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۸ و ۹ :۔ ابن ابی شیبہ۔ ترمذی نے حضرت ابن ابی لیلیٰ تابعی سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ زَیْدِ الْاَنْصَارِیُّ مُؤَذِّنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَشْفَعُ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ،

فرماتے ہیں، کہ عبد اللہ ابن زید انصاری حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مؤذن اذان اور تکبیر دو۲ دو۲ بار کہتے تھے۔

اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ اذان میں ترجیع نہیں، دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو۲ دو۲ بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰ :۔ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ یَقُوْلُ الْاَذَانُ مَثْنٰی مَثْنٰی وَالْاِقَامَةُ مَثْنٰی مَثْنٰی وَمَرَّ بِرَجُلٍ یُقِیْمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اجْعَلْهَا

آپ فرماتے تھے، کہ آذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی وہ دو بار اور آپ (حضرت علی رض)، ایک شخص پر گذرے جو اقامت ایک ایک

مثنیٰ مثنیٰ لا اُمّ لک

بار کہہ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کر تیری ماں نہ رہے۔

حدیث نمبر ۱۱۔ ابوداؤد شریف نے حضرت معاذ ابن جبل سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبداللہ ابن زید انصاری کی خواب کا واقعہ مذکور ہے، جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی تھی، انہوں نے حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا، جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الخ کہا پھر کچھ ٹھہر کر آذان کی طرح تکبیر بھی کہی الخ

حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقِّنْہَا بِلَالًا فَاَذَّنَ بِھَا

راوی کہتے ہیں، کہ حضور نے عبداللہ سے فرمایا کہ یہ آذان حضرت بلال پر تلقین کر دو پس حضرت بلال نے اذان انہی کلمات سے دی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے آذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع تھی۔ جو حضرت بلال نے حضور کی موجودگی میں عبداللہ ابن زید کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی آذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں قد قامت الصلوٰۃ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ و ۱۳۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبدالرحمن ابن ابی لیلی سے روایت کی۔

قَالَ حَدَّثَنَا اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنَ زَیْدِ الْاَنْصَارِیِّ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنَّ رَجُلًا قَامَ وَعَلَیْہِ بُرْدَانِ اَخْضَرَانِ فَقَامَ عَلٰی حَائِطٍ فَاَذَّنَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَاَقَامَ مَثْنٰی مَثْنٰی

فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور کے بہت صحابہ نے خبر دی کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو سبز کپڑے ہیں۔ پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان بھی دو دو بار دی، تکبیر بھی دو دو بار کہی۔

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالےٰ نے صحابہ کرام کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع ہے، نہ اقامت ایک ایک بار معلوم ہوا کہ حنفی اذان و تکبیر وہ ہے، جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۶۔ دارقطنی، عبدالرزاق، طحاوی شریف نے حضرت اسود ابن یزید سے روایت کی

اَنَّ بِلَالًا کَانَ یُثَنِّیْ الْاَذَانَ وَیُثَنِّیْ الْاِقَامَۃَ وَکَانَ یَبْدَأُ بِالتَّکْبِیْرِ وَیَخْتِمُ بِالتَّکْبِیْرِ۔	بے شک حضرت بلال اذان بھی دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر ہے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے

حدیث نمبر ۱۷۔ طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشامیین میں حضرت جناوہ ابن ابی امیہ سے روایت کی۔

عَنْ بِلَالٍ اَنَّہٗ کَانَ یَجْعَلُ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَۃَ سَوَاءً مَثْنٰی مَثْنٰی۔	وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں، کہ وہ آذان و آقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار

حدیث نمبر ۱۸۔ دارقطنی نے حضرت ابو جحیفہ سے روایت کی۔

اَنَّ بِلَالًا کَانَ یُؤَذِّنُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثْنٰی مَثْنٰی وَیُقِیْمُ مَثْنٰی مَثْنٰی۔	حضرت بلال حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت دو دو بار

حدیث نمبر ۱۹۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن ابراہیم سے روایت کی۔

قَالَ کَانَ ثَوْبَانُ یُؤَذِّنُ مَثْنٰی مَثْنٰی	حضرت ثوبان اذان دو دو بار بلکہ تھے۔

حدیث نمبر ۲۰۔ طحاوی نے حضرت عبید مولیٰ سلمہ ابن اکوع سے روایت کی۔

اَنَّ سَلَمَۃَ ابْنَ الْاَکْوَعِ کَانَ یُثَنِّیْ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَۃَ	حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالےٰ عنہ اذان و اقامت دو دو بار کہتے تھے۔

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں معلوم ہوئیں۔

ع۱ عبداللہ ابن زید ابن عبداللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے

اس میں نہ تو ترجیع کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہ ہی اذان و تکبیر مذکور ہے۔ جو عام طور پر رائج ہے۔

ع۲ فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیع بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہ ہی ہماری اذان ہے۔

ع۳ حضور علیہ السلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال، حضرت ثوبان وغیرہم ہمیشہ وہ ہی اذان واقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے، یعنی حنفی اذان واقامت۔

ع۴ جلیل القدر صحابہ و تابعین جیسے حضرت علی، عبداللہ ابن عمر، سلمہ ابن اکوع، عبداللہ ابن زید ابراہیم نخعی، حضرت عبید، ابو جحیفہ وغیرہم رضی اللہ تعالےٰ عنہم یہ ہی اذان کہتے اور کہلواتے تھے جو مروجہ ہے، ترجیع یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

ع۵ حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ ایک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دوبار کہلواتے تھے، اگر ترجیع یا اقامت ایک بار سنت ہوتی، تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول سنت کے متبع، بدعت سے متنفر تھے، انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور ان پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیع نہ ہو، کیونکہ اذان میں اصل چیز صلوٰۃ اور فلاح ہے، کہ اذان نماز ہی کے ارکان و دعوت کے لئے ہے، باقی کلمات تکبیر و شہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں، جب صلوٰۃ اور فلاح میں تکرار اور ترجیع نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیع نہ ہونی چاہیئے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ اذان کا مقصد ہے، نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہیئے، کانوں میں انگلیاں لگائی جاویں تاکہ آواز خوب اونچی نکلے اب ان دو شہادتوں کو اوّلاً آہستہ آہستہ کہنا، مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہیئے دیکھو اذان کے اوّل میں تکبیر چار دفعہ کہی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی آواز سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے، حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا

گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بَیْنَ کُلِّ اَذَانَیْنِ صَلٰوۃٌ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی آذان و اقامت کے درمیان ہاں فرق صرف قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کا ہے، کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں، تو چاہیئے کہ اقامۃ کے الفاظ بھی اذان کی طرح دو دو بار ہوں۔

چوتھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں، کہ اوّل میں بھی ہیں آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں، کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے صلوٰۃ فلاح، جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گنے ہیں، دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی بار چار دفعہ ہے اور پچھلی بار دو دفعہ، شہادت توحید پہلی بار دو دو دفعہ ہے تو آخر بار ایک دفعہ۔ تو چاہیئے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہٰذا حنفی اذان و اقامت جو آج عام مسلمانوں میں رائج ہے۔ بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا جہالت و حماقت ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

حنفی اذان و اقامت پر غیر مقلد وہابی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے، وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں، اگر آئندہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے جوابات بھی عرض کر دیئے جائیں گے

اعتراض نمبر ا۔ مسلم شریف نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی، کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنفس نفیس اذان کی تلقین فرمائی، اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	دونوں شہادتوں کے بعد پھر لوٹو اور کہو اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الخ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ کو اذان کی

شہادتین میں ترجیع سکھائی، لہٰذا اذان میں ترجیع سنت ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیع کا ذکر فرماتے ہیں، اور ان ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیع کا ذکر بالکل نہیں، طحاوی شریف نے انہیں ابی محذورہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اوّل اذان میں بجائے چار کے دوبارہ تکبیر کا ذکر ہے۔ لہٰذا ابو محذورہ کی روایت تعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیساکہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو محذورہ کی یہ ترجیع والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، جن میں ترجیع کا ذکر نہیں، لہٰذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔ نہ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیع نہ فرمائی۔ لہٰذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو محذورہ کو عام صحابہ نے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیع پر نہ تھا۔ بلکہ ترجیع کے خلاف تھا۔ لہٰذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابو محذورہ قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، لہٰذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیساکہ تعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو عنایہ شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو محذورہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور علیہ السلام کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے اور حضور علیہ السلام نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور علیہ السلام نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا اس وقت تھا۔ تعلیم کے لئے اور شرم دور کرنے کے لئے، لہٰذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ

آہستہ اذان کہدے۔ تو دوبارہ بلند آواز سے کہلوائی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو محذورہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابو محذورہ نے یہ دونوں شہادتیں بغیر مد کے کہدی تھیں، اس لیئے دوبار مد کے ساتھ کہلوائیں۔ بہرحال یہ ترجیع ایک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنّتِ اسلام۔

اعتراض نمبر۲۔ ابوداؤد، نسائی اور دارمی نے حضرت ابو محذورہ سے روایت کی۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَّمَہُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً وَّالْاِقَامَۃَ سَبْعَ عَشَرَۃَ کَلِمَۃً۔

بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان ۱۹ کلمے اور تکبیر ۱۷ کلمے سکھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انیس ہیں، یہ ترجیع سے ہی بنتے ہیں، اگر اذان میں ترجیع نہ ہو، تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہٰذا ترجیع اذان میں چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان میں ترجیع ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دو بار ہیں۔ اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے۔ کیا آدھی حدیث پر ایمان لاتے ہو آدھی کے انکاری ہو۔

ترجیع اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے، کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابو محذورہ کو ترجیع ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی۔ وغیرہ۔

اعتراض نمبر۳۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ ذَکَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَکَرُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَ یُوْتِرَ الْاِقَامَۃَ

فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلانِ نماز کے لیئے آگ اور ناقوس کی تجویز کی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعلان عبادت کرتے ہیں تو حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار کہیں اور اقامت ایک ایک بار

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں۔ مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اوّلاً تکبیر چار بار ہو۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ دو بار ہو، پھر تکبیر دو بار ہو لہٰذا جو جواب تمہارا ہے وہ ہی ہمارا۔ اگر کہو کہ دوسری حدیثوں میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کو دو بار کہنے کا حکم ہے تو حنفی کہینگے کہ دوسری احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے تمامی کلمات دو بارہ کہے جاویں وہ احادیث قابلِ عمل کیوں نہیں؟

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب کا بالکل ذکر نہیں، بلکہ فرمایا گیا کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ اس میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیئے تو فوراً ہی حضرت بلال کو اذان و اقامت کا حکم دیا گیا تو اس اذان و اقامت سے موجودہ مروجہ شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اذان یعنی اعلانِ نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لیئے کیا جاوے کہ آجاؤ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک ہی بار کافی تھا۔ اس لیئے ایک بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مروجہ اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ و اقامت دو دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے۔ لہٰذا وہ ہی روایت قابلِ عمل ہے۔ دوسری روایات جو اسکے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا ناقابل عمل۔ خیال رہے کہ یہ خواب صرف حضرت عبداللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ نے یہ ہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث متواتر کے حکم میں ہو گئی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا اسی پر اتفاق ہے، کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم نے اذان میں ترجیع اپنے آخر دم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات دو دو ہی رہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال جیسے مشہور مؤذن حضرت ابن ام مکتوم اپنی ساری عمر نہ تو اذان میں ترجیع کریں نہ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں، حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے یہ حکم دیا ہو۔ لہٰذا ترجیع وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے موافق، لہٰذا انہیں کو ترجیع ہوگی جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز استعمال کرنے سے وضوء واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی، وضو نہ فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ کلّی قانون ہے

اکیسواں باب ۲۱

متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے، فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں، ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضروری۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نابالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، نہ فرض نہ تراویح نہ نفل، کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے، اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس پر اس کی قضاء ضروری نہیں۔ لیکن بالغ کی نفل شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضاء لازمی ہے، اس لیئے بالغ کوئی نماز بچہ کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک یہ سب کچھ جائز ہے۔ اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر

اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں، جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر ۱ تا ۴:۔ ترمذی، احمد، ابوداؤد، شافعی، مشکوٰۃ نے باب الاذان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَّالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰھُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّۃَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے، اور موذنوں کو بخش دے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے، کہ اعلیٰ شئے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شئے اعلیٰ کو فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے، کہ نفل سے اعلیٰ ہے، نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض سے ادنیٰ ہے ایسے ہی ہر فرض نماز اپنے مثل فرض کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے۔ نہ کہ دوسرے فرض کو لہٰذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی قضاء نہیں پڑھی جا سکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵۔ امام احمد نے حضرت سلیم سلمی سے روایت کی۔

اَنَّہٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِنَّ مُعَاذَ ابْنَ جَبَلٍ یَاْتِیْنَا بَعْدَ مَا نَنَامُ وَنَکُوْنُ فِیْ اَعْمَالِنَا بِالنَّھَارِ فَیُنَادِیْ بِالصَّلٰوۃِ فَنَخْرُجُ اِلَیْہِ فَیُطَوِّلُ عَلَیْنَا فَقَالَ

حضرت سلیم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ حضرت معاذ ابن جبل ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آتے

لَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا مُعَاذُ لَا تَكُنْ فَتَّانًا إِمَّا أَنْ تُصَلِّيَ مَعِيْ وَإِمَّا أَنْ تُخَفِّفَ عَلٰى قَوْمِكَ

ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے حضور نے فرمایا کہ اے معاذ فتنہ کا باعث نہ بنو یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔

خیال رہے کہ حضرت معاذ ابن جبل نماز عشاء حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ کر اپنی قوم میں پہنچ کر انہیں نماز پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے، جس کی شکایت بارگاہِ نبوی میں ہوئی جس کا واقع یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ۶۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ إِذَا دَخَلْتَ فِيْ صَلٰوةِ الْقَوْمِ وَأَنْتَ لَا تَنْوِيْ صَلٰوتَهُمْ لَا تُجْزِئُكَ وَإِنْ صَلَّى الْإِمَامُ صَلٰوتَهٗ وَنَوَى الَّذِيْ خَلْفَهٗ غَيْرَهَا أَجْزَأَتِ الْإِمَامَ وَلَمْ تُجْزِهِمْ رَوَاهُ الْإِمَامُ مُحَمَّدٌ فِي الْآثَارِ

فرماتے ہیں، کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہوا ور تم ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی نہیں اور اگر امام ایک نماز پڑھے اور پیچھے والا مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی نماز تو ہو جاوے گی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ علماء ملت کا بھی یہ ہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرا فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

عقل۔ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام پیشوا ہے مقتدی اس کا تابعدار امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر متفرع، اس لیئے امام کے سہو سے مقتدی پر سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لیئے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی

قرأت امام کے لئے کافی نہیں۔ حنفیوں کے نزدیک تو مطلقاً وہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سوا میں۔ اگر امام بے وضو نماز پڑھا دے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی بے وضو پڑھ لے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت آہستہ تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے مقتدی سنے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے سجدہ کی آیت تلاوت کرے، تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہو نہ خود اس مقتدی پر۔ اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔ لیکن اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ اور نفل نماز، فرض نماز سے درجہ کم ہے۔ تو چاہیئے کہ نفل کے پیچھے فرض ادا نہ ہوں، تاکہ اعلیٰ و افضل ادنیٰ کے تابع نہ ہو جاوے اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہو سکتی، مغرب پڑھانے والے کے پیچھے وتر نہیں ہو سکتے تو ظہر والے کے پیچھے عشاء کی قضاء بھی نہیں ہو سکتی غرضکہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز ایک ہو یا مقتدی کی نماز امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھ رہا ہو۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر مقلد وہابیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کیئے دیتے ہیں، جو وہ کیا کرتے ہیں، اور وہ بھی جواب تک ان کو سوجھے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز پنجگانہ فرض ہوئیں۔ اس کے بعد دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن ہر نماز اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ان وقتوں کے

درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل کے لیئے نفل کیونکہ نماز پنجگانہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی بھی ہے اور سنت جبریلی بھی۔

جواب ۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بتاؤ جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آ گئے بغیر حکم الہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل بغیر حکم الہی کبھی نہیں آتے رب فرماتا ہے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ	ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے

لہذا ماننا پڑے گا۔ کہ رب تعالےٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریل کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے

دوسرے یہ کہ ان دو دنوں میں نہ حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قانون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لیئے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہذا حضور نے حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمد للہ کہ تمہارا اعتراض جڑ سے اوکھڑ گیا۔

اعتراض نمبر ۲ ۔ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ مُعَاذُ ابْنُ جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَاْتِيْ قَوْمَهٗ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ۔	فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم میں آتے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

دیکھو حضرت معاذ عشا کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض

پڑھنا سنت صحابہ ہے

جواب - اس اعتراض کے چند جواب ہیں - ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ فرض ادا کرتے ہوں حضرت معاذ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور کے پیچھے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہٰذا آپ کے لئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ اور نہیں حضور نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا - بارہا صحابہ کرام سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں، کہ جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی، تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا مقتدیوں کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہونیکی وجہ سے ناقابلِ عمل ہے۔

اعتراض نمبر ۳ - بیہقی اور بخاری نے انہی حضرت جابر سے حضرت معاذ کا یہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ مَعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ نَافِلَةٌ۔

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے، بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ حضور کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے

جواب - آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت

معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے اندازے اور قیاس سے فرماتے ہیں، کہ حضور کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت و ارادے کا پتہ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر پوچھے، یقین سے نہیں کہا جا سکتا اور نہ اسمیں یہ ہے کہ انہیں حضور نے اس کی اجازت دی۔ لہٰذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر ۴۔ بخاری شریف نے حضرت عمرو ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی۔ جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ میں حجازی قافلوں سے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والد مدینہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کیئے ان سے حضور نے فرمایا کہ اذان کوئی دے دیا کرے مگر نماز وہ پڑھائے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا، کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنا دیا۔ اس وقت میری عمر چھ سات سال تھی، میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّيْ فَقَالَتْ اِمْرَأَةٌ مِنَ الْحَيِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِيْ قَمِيْصًا۔
(مشکوٰۃ باب الامامۃ)

مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی، کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خرید کر قمیض سی دی۔

دیکھو عمرو ابن سلمہ صحابی ہیں، اور تمام صحابہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں، عمرو ابن سلمہ رضی کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جوان بڈھے ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں

جواب ۔ اس کے وہ ہی جوابات ہیں جو اعتراض ۲ کے ماتحت گزر گئے کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا۔ نہ کہ حضور کے فرمانے سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی

مان لو کہ ننگے امام کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ کیونکہ عمرو ابن سلمہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا۔ کہ سجدہ میں چادر ہٹ جاتی اور چوتڑ ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے، کسی نے نماز نہ لوٹائی۔ کیوں مسائل شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوتے ہیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر محض عداوت سے تبرا کرتے اور ان کی جناب میں گستاخیاں گالی گلوچ بکتے ہیں

بائیسواں باب ۲۲

خون اور قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں، جو چیز پیشاب پاخانہ کی راہ سے نکلے، غفلت کی نیند، غشی، نشہ، جنون، نماز میں ٹھٹھہ لگا کر ہنسنا، بہتا ہوا خون، منہ بھر کر قے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے، نہ منہ بھر کر قے، لہٰذا کوئی حنفی کسی غیر مقلد کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں، کیا خبر ہے کہ قے کر کے یا نکسیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کیئے مصلے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات، رب تعالٰی قبول فرماوے۔

پہلی فصل

قے اور بہتا خون بھی وضو توڑتا ہے،

حنفیوں کے نزدیک منہ بھر قے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہ کر پہنچ جانا وضو، توڑ دیتا ہے، ظاہر بدن وہ ہے، جس کا دھونا، غسل میں فرض ہے، دلائل ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱۔ دارقطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْوُضُوْءُ مِنْ کُلِّ دَمٍ سَائِلٍ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے

نمبر ۲۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَہٗ قَیْءٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلَسٌ اَوْ مَذْیٌ فَلْیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّأْ۔

فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جس کسی کو قے یا نکسیر یا مذی آجاوے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔

نمبر ۳۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی حبیش حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون آتا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے رگ کا خون ہے۔ لہٰذا۔

اِجْتَنِبِی الصَّلٰوۃَ اَیَّامَ مَحِیْضِكِ ثُمَّ اَغْتَسِلِیْ وَتَوَضَّئِیْ لِکُلِّ صَلٰوۃٍ وَاِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَی الْحَصِیْرِ۔

حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور ہر نماز کے لئے وضو کرو پھر نماز پڑھو، اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے، ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے ریح یا قطرے کی بیماری ہو وہ۔ ہر نماز کے وقت ایک وضو کرکے نماز پڑھتا رہے۔ کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

نمبر ۴۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ أَوْ رَعُفَ فِي صَلوٰتِهٖ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلٰى صَلوٰتِهٖ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

آپ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے وہ نماز سے علیحدہ ہوجاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جبتک کہ بات نہ کی ہو۔

نمبر ۵ و ۶۔ ترمذی و ابوداؤد نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

قَالَ أَعْرَابِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَكُوْنُ فِي الْفَلَاةِ فَتَكُوْنُ مِنْهُ رُوَيْحَةٌ وَيَكُوْنُ فِي الْمَاءِ قِلَّةٌ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَاءَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ۔ مُلَخَّصًا۔

ایک بدوی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اسکی ریح نکل جاتی ہے اور پانی میں تنگی ہوتی ہے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے (ملخصاً)

كذا في جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد۔

نمبر ۷۔ ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّأَ فَلَقِيْتُ ثَوْبَانَ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ صَدَقَ أَنَا صَبَبْتُ لَهٗ وَضُوْءَهٗ وَحَدِيْثُ حُسَيْنٍ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ۔

ایک بار نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو قے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابوالدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ نے فرمایا ابوالدرداء نے سچ کہا پانی میں نے ہی ڈالا تھا یعنی میں نے ہی وضو کرایا تھا۔ حسین کی یہ حدیث نہایت ہی صحیح ہے اس بارے میں

نمبر ۸۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ سے روایت کی۔

رَفَعَهٗ قَالَ إِذَا رَعُفَ أَحَدُكُمْ فِي صَلوٰتِهٖ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَغْسِلْ عَنْهُ الدَّمَ ثُمَّ لِيُعِدْ وُضُوْءَهٗ

آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکسیر آجاوے تو علیحدہ ہوجاوے اور خون کو دھو دے پھر وضو لوٹائے

نمبر ۹۔ دارقطنی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَاءَ اَحَدُکُمْ اَوْرَعَفَ وَھُوَ فِی الصَّلٰوۃِ اَوْ اَحْدَثَ فَلْیَنْصَرِفْ وَلْیَتَوَضَّاْءُ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے یا اور کوئی حدث کرے، تو علیحدہ ہوجاوے اور وضو کرے

نمبر ۱۰۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ مَنْ رَعَفَ فِیْ صَلٰوۃٍ فَلْیَنْصَرِفْ فَلْیَتَوَضَّاْءُ فَاِنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْ بَنٰی عَلٰی صَلٰوتِہٖ وَاِنْ تَکَلَّمَ اِسْتَانَفَ

فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں نکسیر آجاوے تو وہ علیحدہ ہوجاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نہ کیا ہو تو باقی نماز پوری کرے اور اگر کلام کرلیا ہو تو نئے سرے پڑھے

نمبر ۱۱۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن قسط لیثی سے روایت کی۔

اِنَّہٗ رَاٰی سَعِیْدَ ابْنَ الْمُسَیَّبِ رَعَفَ وَھُوَ یُصَلِّیْ فَاَتٰی حُجْرَۃَ اُمِّ سَلَمَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاُتِیَ الْوَضُوْءَ فَتَوَضَّاءَ ثُمَّ رَجَعَ فَبَنٰی عَلٰی مَاقَدْ صَلّٰی

انہوں نے حضرت سعید ابن مسیب کو دیکھا کہ انہیں نماز میں نکسیر آگئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئے تو انہیں پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا، پھر واپس ہوئے اور بقیہ نماز پوری کی۔

نمبر ۱۲۔ ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی

قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَاْخُذْ بِاَنْفِہٖ ثُمَّ لِیَنْصَرِفْ۔

(مشکوٰۃ باب العجز من العمل)

فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑ کے پھر چلا جاوے۔

اس حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نمازی کو تدبیر یہ بتائی، کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپانے کے لیئے ناک پر ہاتھ رکھ لے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کی جگہ جاکر وضو کرلے، اگر نکسیر سے وضو نہ ٹوٹتا ہوتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور نمونہ بارہ حدیثیں پیش کردیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھر قے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہیئے، اسی لیئے پیشاب، پاخانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے، بہتا خون، منہ بھر قے ناپاک ہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اسی لیئے بہتے خون والا جانور ذبح سے حلال ہوتا ہے۔ تاکہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے۔ تو جیسے پیشاب پاخانہ اور ریح نکلنے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیئے کہ ناپاک چیز نکلی، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور قے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہیئے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلا، نیز استحاضہ اور بواسیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوع بھی وارد ہے۔ جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضوء توڑ دیتے ہیں تو لامحالا دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو، توڑے گا۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شبہات اور وہمیات ہیں، مگر تکمیل بحث کے لیئے ہم ان کے جوابات بھی دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ احمد و ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوۡءَ اِلَّا مِنۡ صَوۡتٍ اَوۡ رِیۡحٍ

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے

اس سے معلوم ہوا کہ وضوء صرف ریح سے ٹوٹتا ہے، خون قے اس کے علاوہ ہے لہٰذا اس سے وضوء نہیں ٹوٹنا چاہیئے اِلّا حصر کے لیے ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پاخانہ، بلکہ عورت یا شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اِلّا کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جاوے تو جو تمہارا جواب

ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا یقینی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر وہ حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی

إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا۔

جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس لیئے اسے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلی یا نہیں تو مسجد سے نہ نکلے، یہاں تک کہ آواز سنے، یا بو پائے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے۔ جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو، حدیث کا منشاء کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ حاکم نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِيَ رَجُلٌ مِنْهُ فَنَزَفَهُ الدَّمُ فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضٰى فِي صَلٰوتِهٖ

کہ آپ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا، مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کرلی۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو عین نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کرلی، اگر خون نکلنا وضو توڑتا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز یا نئے سرے سے پڑھتے یا وہ ہی پوری فرماتے، معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا، خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے، تو چاہیئے کہ آپ خون، پیشاب پاخانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز کہو، حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے، کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہیئے، لہٰذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان صحابی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت

سے یہ عمل کیا، معلوم ہوتا ہے دوسری واقفیت انہیں نہ تھی۔ اس لیئے ایسا کر گزرے۔
تیسرے یہ کہ حدیث تمام ان مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے، جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے، لہٰذا ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، کیونکہ رب تعالٰے نے بدن و کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے، رب تعالٰے فرماتا ہے۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ گندگی سے دور رہو۔ اور فرماتا ہے۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی۔ لہٰذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔
پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں فقیہ ہیں یا غیر فقیہ اگر فقیہ ہیں تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو حدیث مرفوع اور تمام فقہاء صحابہ کے خلاف ہے اور جو اجتہاد حدیث کے خلاف ہو وہ واجب ترک ہے، اور اگر غیر فقیہ ہیں تو ان سے یہ ہوا بہر حال حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

تیسرا اعتراض۔ اگر خون وضو توڑتا ہے۔ تو چاہیئے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضوء توڑ دے جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، بہے یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے، جب تھوڑا خون یعنی نہ بہنے والا وضو نہیں توڑتا، تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، ایسے ہی قے اگر ناقص وضو ہے تو خواہ منہ بھر کر ہو یا تھوڑی، وضو توڑ دیتی ہے۔ یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب۔ الحمد للہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں ویسے ہی آپ کا قیاس۔ جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے پیشاب مطلقاً گندا ہے، تھوڑا ہو زیادہ، خون بہنے والا گندا ہے، رب تعالٰے قبول فرماتا ہے أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا نہ بہنے والا گندا نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہو پاک ہوتی ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو آنتوں میں پاخانہ اور مثانہ میں پیشاب بھرا ہے۔ مگر پاک ہے اس لیئے آپ کی نماز درست ہوتی ہے۔ اگر یہ ناپاک ہوتے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے ہی گندا انڈا جو اندر سے خون ہو گیا ہو جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون

چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے۔ جب یہ سمجھ لیا، تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو پیشاب کی جگہ مثانہ ہے۔ وہ مثانہ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آکر چمکتا ہے، لہٰذا نجس ہے اگرچہ ایک بوند ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اس کا معدن ہے۔ اگر کہیں سوئی چبھ گئی اور خون چمک گیا، مگر بہا نہیں، تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکا ہے، ناپاک نہیں، ہاں جب بہے تو سمجھو، کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہوگیا اور ناپاک، اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے، مگر خون بہ کر توڑے گا۔ غرضکہ خون کا نکلنا اور ہے چمکنا کچھ اور لہٰذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ عینی شرح بخاری نے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاءَ وَلَمْ یَتَوَضَّأْ۔	بے شک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور وضو نہ کیا۔

اگر قے وضوء توڑتی، تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب۔ ماشاء اللہ کیسا نفیس اعتراض ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضوء کے لیے پانی پیش کیا گیا۔ مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پاخانہ بھی وضو نہیں توڑتا، جناب وضوء نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضوء کی ضرورت نہ تھی۔ وضو ٹوٹ جانے پر فوراً وضوء کرنا واجب نہیں، ہاں اگر حضور فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے۔ اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون و قے کے ناقص وضوء ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقض نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی، صرف علماء کا مذہب بیان فرمایا، معلوم ہوا، کہ ان کی نظر میں قے وخون کے وضو نہ توڑنے کی کوئی حدیث نہیں۔ کیونکہ وہ ہر مسئلہ پر حدیث پیش ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۔ قے وخون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے تو وہ وضو کرے، وہاں وضوء سے مراد خون و قے سے کپڑا دھو لینا ہے، نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَلْوُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْہُ

النَّارُ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو ہے، وہاں وضوء سے مراد ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا سنت ہے، یہ ناقض وضوء نہیں، ایسے ہی یہاں ہے لہذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب :۔ واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آج تک کسی کو نہ سوجھا ہو گا۔ ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تحریف ہے، اوّلاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضوء کے عرفی معنے خود حضور علیہ السلام نے بیان فرما دیئے، کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے کلی کی اور فرمایا، هٰذَا وُضُوْءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو یہ ہے، یہاں آپ یہ معنے چھوڑ کر غیر معروف معنے کیوں مراد لے رہے ہو۔ نیز اس حدیث میں یہ ہے، کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے۔ تو وضو کرے اور نماز کی بنا کرے یعنی باقی نماز پوری کرے، اگر کپڑا دھونا مراد ہوتا تو نماز کی بنا جائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑتی، جس کا کپڑا نماز میں نجس ہو جاوے اور وہ دھوئے، وہ بنا نہیں کر سکتا دوبارہ پڑھے گا۔ لہذا آپ کی یہ توجیہہ محض باطل ہے۔

تیئسواں باب ۲۳

ناپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ اگر کنوئیں، گڑھے یا گھڑے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی گر جاوے تو ان کا پانی نجس ہو جاوے گا، کہ نہ پیا جا سکتا ہے، نہ اس سے وضو وغیرہ جائز ایک قطرہ پیشاب کنویں کو گندا کر دیتا ہے، سمندر، تالاب یا بہتا پانی اُن کے احکام جداگانہ ہیں۔ مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو مشکے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے ناپاک نہ ہو گا، جب تک کہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے، لہذا ان کے نزدیک کنویں میں خوب ہگو موتو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیئو۔ وضو کرو، پھر طرّہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ

عنہ کو گالیاں دیتے ہیں، کہ انہوں نے گندگی گر جانے پر کنویں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا۔ مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پینے دیا۔ حنفیوں کو چاہیئے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں نہ ان کے کنووں کا پانی بے تحقیق پیئیں۔ ان کے کنویں اکثر گندے ہوتے ہیں، جن سے یہ لوگ کپڑے دھوتے، نہاتے اور وضو کرتے ہیں، نہ ان کے بدن پاک، نہ کپڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑاتے اور آوازے کستے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنواں خواہ کتنا ہی گہرا ہو، اور اس میں کتنا ہی پانی ہو۔ اگر اسمیں ایک قطرہ شراب یا پیشاب یا چوہا بلی وغیرہ گر کر مر جاوے تو ناپاک ہے بغیر پاک کیئے اس کا پانی باستعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱ تا ۴۔ مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ نَھٰی اَنْ یُّبَالَ فِی الْمَآءِ الرَّاکِدِ ثُمَّ یَتَوَضَّأُ فِیْہِ

منع فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب کیا جاوے، پھر اس سے وضو کیا جاوے

نمبر ۵ تا ۹۔ مسلم و طحاوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْتَسِلُ اَحَدُکُمْ فِی الْمَآءِ الدَّائِمِ وَھُوَ جُنُبٌ فَقَالَ کَیْفَ یَفْعَلُ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ یَتَنَاوَلُہٗ تَنَاوُلًا

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی شخص ٹھہرے پانی میں جنابت سے غسل نہ کرے ابو سائب نے پوچھا کہ اے ابوہریرہ پھر جنبی کیا کرے، فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔

یہ حدیث احمد۔ ابن حبان، عبد الرزاق، وغیرہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے

بالفاظ مختلفہ روایت فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا، کہ گڑھے، کنویں اور تمام ٹھہرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے۔ نہ جنابت کا غسل، اگر ایسا کر لیا گیا، تو پانی گندا ہو کر قابل استعمال نہ رہے گا۔ اگر دو مٹکے پانی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوتا، تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم یہ ممانعت نہ فرماتے

نمبر ۱۰ تا ۱۲۔ ترمذی حاکم (مستدرک) ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَلَغَ الْكَلْبُ فِي الْاِنَاءِ غُسِلَ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلٰهُنَّ بِالتُّرَابِ وَاِذَا وَلَغَ الْهِرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً اللَّفْظُ لِابْنِ عَسَاكِر

فرماتے ہیں، کہ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب برتن میں کتا چاٹ جاوے تو سات بار دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے مانجھا جاوے اور جب بلی چاٹ جاوے تو ایک بار دھویا جاوے

ان احادیث سے پتہ لگا کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور ایک بار مٹی سے بھی مانجھا جاوے اور اگر بلی برتن سے پی لے تو ایک بار ہی دھویا جاوے، برتن خواہ چھوٹا ہو، جیسے ہانڈی، لوٹا یا بڑا جسمیں دو چار مٹکے پانی آجاوے اگر دو مٹکے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو وہ برتن کیوں ناپاک ہو جاتا ہے۔ جسمیں یہ پانی ہے، کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لگا ہوا ہے جب برتن نجس ہو گیا تو پانی یقیناً نجس ہو گیا خواہ دو مٹکے ہو یا کم و بیش۔

نمبر ۱۳ تا ۱۵۔ دار قطنی، طحاوی نے ابو الطفیل سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّ غُلَامًا وَقَعَ فِي بِئْرِ زَمْزَمَ فَنُزِحَتْ۔

زمانہ صحابہ میں چاہ زمزم میں ایک لڑکا گر گیا، تو کنویں کا پانی نکالا گیا۔

نمبر ۱۶ و ۱۷۔ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطا سے روایت کی، عطاء تابعی ہیں۔

اَنَّ حَبَشِيًّا وَقَعَ فِي زَمْزَمَ فَمَاتَ فَاَمَرَ بِهٖ ابْنُ الزُّبَيْرِ فَنُزِحَ مَاؤُهَا فَجَعَلَ الْمَاءُ لَا يَنْقَطِعُ فَنَظَرَ فَاِذَا عَيْنٌ تَجْرِيْ مِنْ قِبَلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فَقَالَ

کہ ایک حبشی چاہ زمزم میں گر کر مر گیا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حکم دیا، پانی نکالا گیا، پانی ختم نہ ہوتا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب سنگ اسود کی طرف سے آرہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ

ابْنُ الزُّبَيْرِ حَسْبُكُمْ ۔ | نے فرمایا کہ کافی ہے ۔

نمبر ۱۸۔ بیہقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ حَبْشِيًّا وَقَعَ فِيْ زَمْزَمَ فَمَاتَ فَاَنْزَلَ رَجُلًا اِلَيْهِ فَاَخْرَجَهٗ ثُمَّ قَالَ انْزِحُوْا مَا فِيْهَا مِنْ مَاءٍ۔

وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو آپ نے ایک آدمی کو اتارا جس نے اسے نکالا، پھر ابن عباس نے فرمایا کہ جو پانی کنوئیں میں ہے اسے نکال دو۔

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اگر کنوئیں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنواں نجس ہو جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کنوئیں کے پاک کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں، تیسرے یہ کہ اگر کنوئیں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پرواہ نہ کی جاوے، جو پانی فی الحال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے، جو بعد میں آتا رہے اس کا مضائقہ نہیں چوتھے یہ کہ جس ڈول و رسی سے ناپاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنوئیں کیساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں گے، اگر غیر مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمالیں۔ تو امام صاحب کو گالیاں دینا، حنفیوں کا مذاق اڑانا آوازے کسنا چھوڑ دیں۔

نمبر ۱۹۔ طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي الطَّيْرِ وَالسِّنَّوْرِ وَنَحْوِهِمَا يَقَعُ فِي الْبِئْرِ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ دَلْوًا۔

امام شعبی چڑیا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنوئیں میں مر جاویں تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اَنَّهٗ قَالَ فِيْ دَجَاجَةٍ وَقَعَتْ فِيْ بِئْرٍ فَمَاتَتْ قَالَ يُنْزَحُ قَدْرُ اَرْبَعِيْنَ دَلْوًا اَوْ خَمْسِيْنَ ثُمَّ يُتَوَضَّاُ مِنْهَا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی گر کر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے

نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت میسرہ اور زادان سے روایت کی۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِذَا سَقَطَتِ | حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

اَلْفَارَةُ اَوِالدَّابَّةُ فِی الْبِیْرِ فَاَخْرِجْهُمَا حَتّٰی یَغْلِبَكَ الْمَاءُ۔	ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوہا یا کوئی اور جانور کنوئیں میں مرجائے تو اسکا پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تم پر غالب آجائے

نمبر ۲۲۔ طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی تابعی سے روایت کی۔

عَنْ اِبْرَاهِیْمَ فِی الْبِیْرِ تَقَعُ فِیْهَا الْفَارَةُ قَالَ یُنْزَحُ مِنْهَا دِلَاءٌ	ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چوہا گر جاوے تو اس سے کچھ ڈول نکالے جاویں۔

نمبر ۲۳۔ شیخ علاؤالدین محدث نے بحوالہ طحاوی حضرت انس سے روایت کی (واللہ اعلم)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ فِی الْفَارَةِ اِذَا مَاتَتْ فِی الْبِیْرِ وَاُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهَا یُنْزَحُ مِنْهَا عِشْرُوْنَ دَلْوًا۔	حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوہا کنوئیں میں گر جاوے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس ڈول نکالے جاویں۔

نمبر ۲۴۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلمہ سے روایت کی۔

اَنَّ عَلِیًّا سُئِلَ عَمَّنْ بَالَ فِیْ بِیْرٍ قَالَ یُنْزَحُ (انتصار الحق ص۲۵۷)	حضرت علی سے پوچھا گیا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں میں پیشاب کردے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکالا جائے۔

یہ چوبیس روائتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، جن سے معلوم ہوا کہ گندی چیز گر جانے سے کنواں نجس ہو جاتا، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ کنوآں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جاویں، کیونکہ جب نجاست لگ جانے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں، تو پانی جو پتلی چیز ہے جسمیں نجاست بہت زیادہ سرایت کر جاتی ہے۔ بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جانا چاہیئے۔ نیز جب دو مٹکے دودھ، تیل۔ پتلا گھی، شہد، کسی نجاست پڑھنے سے نجس ہو جاتے ہیں۔ تو پانی ان چیزوں سے زیادہ پتلا ہے، وہ بھی ضرور ناپاک ہو جانا چاہیئے۔ ورنہ فرق بیان کرو کہ دو مٹکے دودھ کیوں ناپاک ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نہیں نجس ہوتا اس لیئے سرکار محمد رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سو کر جاگو تو بغیر ہاتھ دھوے پانی میں نہ ڈال دو (مسلم و بخاری)، پانی خواہ دو قلّے ہو یا کم و بیش، دیکھو بے وضو آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے

مختلف ہیں تانبے، شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک جوتا صرف چلنے پھرنے اور مٹی سے رگڑ جانے سے پاک ہو جاتا ہے، نجس زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ نجس کپڑا و جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل پاک دودھ و تیل کے ساتھ ملکر بہ جانے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ بہرحال حق یہ ہے کہ کنوآں وغیرہ نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک غیر مقلد وہابی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، اگر اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قِيلَ يَارَسُولَ اللّٰهِ أَنَتَوَضَّاءُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُلْقٰى فِيهَا الْحِيَضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ

فرماتے ہیں، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم بضاعہ کنوئیں سے وضو کر سکتے ہیں، بضاعہ ایسا کنوآں تھا، جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔

بضاعہ مدینہ پاک میں ایک کنواں تھا۔ جس میں ہر قسم کی گندگی تھی کہ مرے کتے بھی پھینک دیئے جاتے تھے، مگر اس کے باوجود سرکار نے کنوئیں کی گندگی تھی ناپاکی کا حکم نہ دیا تعجب ہے کہ حضور تو بضاعہ کنوئیں کو کتے، حیض کے کپڑے اور ہر قسم کی گندگی گرنے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے، مگر امام ابو حنیفہ ایک قطرہ پیشاب گر جانے پر بھی سارا کنوآں ناپاک کہہ دیتے ہیں، حنفیوں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ کیا ابو حنیفہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاک و ستھرے تھے۔

جواب :- اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں، تو چاہیئے کہ گھڑے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے کتوں کے گوشت ڈال کر پیا کرو، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مراد ہو، اور مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم کہتے ہو کہ اگر نجاست سے کنوئیں کے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل جاوے تو نجس ہو جاوے گا، وہ کونسا کنواں ہے جو مرے کتوں، حیض کپڑوں اور بدبو دار چیزوں کے گرنے کے باوجود ان کا رنگ بو، مزہ نہ بدلے، دن رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مرغی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آ جاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیئے کہ وہابیوں کے کنووں میں مردار، کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبو دار پانی کو پیتے رہو، تم نے بو اور مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لگائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے کو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کتے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہٰذا یہ حدیث قابل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلافِ قیاس ہو، وہ واجب الترک ہے اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجب العمل ہے لہٰذا ان احادیث پر عمل کرو، جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضاعہ کنواں ہمارے ملک کے کنوؤں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا۔ جیسا کہ آج مکہ معظمہ کے کنوئیں نہر زبیدہ پر بنے ہوئے ہیں، اور مدینہ منورہ کے کنوئیں نہر زرقا پر واقع ہیں، بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں، مگر درحقیقت وہ آب رواں کی نہریں ہیں، چونکہ پانی جاری تھا، اس لیئے جو گندگی گری بہ گئی، پاک و صاف پانی آ گیا نہ اس میں بو تھی، نہ کوئی گندگی جاری نہر اور جاری دریا

کا حکم یہ ہی ہے۔
چنانچہ امام طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

اَنَّ بِئْرَ بُضَاعَةَ كَانَتْ طَرِيْقًا لِلْمَاءِ اِلَى الْبَسَاتِيْنِ فَكَانَ الْمَاءُ لَا يَسْتَقِرُّ فِيْهَا

بضاعہ کنواں پانی کا راستہ تھا جو باغوں میں جاتا تھا، اس میں پانی ٹھہرتا نہ تھا۔

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہو گئیں اور مسئلہ بالکل حل ہو گیا۔ لہذا کنواں گندگی گرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْمَاءِ يَكُوْنُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا يَنُوْبُهٗ مِنَ السِّبَاعِ وَالدَّوَابِّ قَالَ اِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخُبُثَ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حالانکہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو جنگلوں میں ہوتا ہے، جس پر درندے اور جانور وارد ہوتے ہیں، تو حضور نے فرمایا کہ جب پانی دو مٹکے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو مٹکے پانی نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوتا، امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق سے روایت کی کہ دو قلے پانچ مشکیزہ ہوتے ہیں، جب پانچ مشکیزے پانی نجس نہیں ہوتا تو کنوئیں میں تو سینکڑوں مشکیزے پانی ہوتا ہے، وہ کیسے نجس ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مٹکے پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست گرے خبث میں مقدار نجاست کی قید نہیں تو چاہیئے کہ اگر دو مٹکے پانی میں چار مٹکے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا بو، مزہ، رنگ سب پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہابی پیتے رہیں، رنگ و بو نہ بدلنے کی قید تم نے کہاں سے لگائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ لَمْ يَحْمِلِ الْخُبُثَ کے یہ معنے کیسے ہوئے کہ نجس نہیں ہوتا اس کے معنے ہیں نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہو جاتا ہے، جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال باطل ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ ہی معنے کیئے جائیں کہ دو مٹکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے کہ حضور نے ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو مٹکے پانی ہو یا کم و بیش اور سیدنا عبداللہ ابن عباس نے چاہ زمزم میں ایک حبشی گرنے پر اس کا پانی نکلوایا، یہ کیوں وہاں تو ہزاروں مٹکے پانی تھا۔ لہٰذا یہ حدیث لائق عمل نہیں چوتھے یہ کہ قلتین قلتہ کا تثنیہ ہے، قلہ مٹکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قدوقامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلہ کے معنی انسانی قدوقامت ہے۔ اور اس سے گہرائی کا اندازہ بتانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے، یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے بہنے کیلئے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوگا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے گندگی کو بہائے جاویگا۔ فوراً دوسرا پانی آوے گا، اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوگا۔ اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوگی۔ یہ وجہ بہت بہتر ہے۔ کیونکہ اگر قلہ کے معنی ہوں مٹکا تو پتہ نہ چلے گا۔ کہ کتنا بڑا مٹکا کہاں کا مٹکا اور پانچ مشک مقدار مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدار مذکور نہیں۔ نیز یہ خبر نہیں کہ مشکیزہ کتنا بڑا اور کہاں کا۔ غرضکہ حدیث مجمل ہوگی مجمل پر عمل ناممکن ہے، پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ دو قلے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سو ہاتھ سطح ہو گئی ہو۔ اب چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہو گیا، لہٰذا معمولی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ حنفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لاتا ہے، پاک پانی چھوڑ آتا ہے۔ حیرت ہے۔ کہ جب کنوئیں میں چڑیا مر گئی جس سے جس سے سارا کنواں ناپاک ہو گیا اور حنفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو یا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہی نہ ہوا تھا۔ صرف تیس ڈول پانی ناپاک تھا جسے یہ کراماتی ڈول چھانٹ کر نکال لایا۔ اگر کل کنواں ناپاک ہو گیا تھا۔ تو تیس ڈول نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہو گیا۔

جواب۔ یہ کرامت وہابیوں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جب کنوئیں کا پانی بو مزہ رنگ بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنواں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہابی صاحبان اسے پاک کریں۔ بتاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہوا ہے یا کچھ ڈول اگر کچھ ڈول پانی ناپاک،

ہوا ہے، تو وہابیوں کا ڈول واقعی کراماتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف گندا پانی نکال لایا۔ اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لگایا اور اگر کل کنوآں ناپاک ہوا تھا تو کنوئیں کا کل پانی نکالا بھی نہیں، پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنوآں پاک ہو گیا یہ کیسے ہوا اس کا جواب وہابی دیں گے وہ ہی ہماری طرف سے بھی سمجھ لیں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔ مگر ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیلئے چالیس ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے۔ دیکھو منی ناپاک ہے۔ لیکن جب کپڑے میں لگ کر خشک ہو جاوے، تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے، کہئے یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیسے ہو گیا۔ صرف آسانی کے لئے ایسے ہی آسانی کے لئے صرف چالیس ڈول نکال دینے سے سارا کنوآں پاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ اگر چڑیا یا چوہا مرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔ تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہو گئی اور جب اسے پاک کرنے کے لئے ڈول ڈالا گیا، تو وہ ڈول و رسی بھی نجس ہو گئی تو چاہیئے تھا کہ اسے پاک کرنیکو دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈول رسی بھی پاک کی جاتی۔

جواب:۔ اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۳ کے جواب میں گزر گیا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے، کنوئیں کی دیواریں اور ڈول و رسی دھونے میں سخت دشواری تھی۔ اس لیے اس کی معافی دی گئی۔ تم بھی اپنے گندے کنوئیں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈول و رسی آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور نص کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہ زمزم پاک کیا، مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول و رسی۔

چوبیسواں باب ۲۴

نماز جمعہ و عیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ و نماز عید و بقر عید گاؤں میں نہیں ہوتی۔ ان تینوں نمازوں کیلئے شہر یا شہر کی ملحقہ جگہ میں ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ و عیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آکر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائیں گے مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں۔ کہ جمعہ و عیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں۔ اس لیئے اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

نوٹ ضروری۔ خیال رہے کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کوچے و بازار ہوں۔ ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں۔ اور وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو۔ جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

پہلی فصل

نماز جمعہ و عیدین کیلئے دوسری شرائط جماعت، خطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا فنائے شہر بھی شرط ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی، گاؤں میں نہیں ہو سکتیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے۔

نمبر ۱۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ۔

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے۔ تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔

اس آیۃ کریمہ میں رب تعالےٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہو جانے پر دو حکم دیئے جمعہ کے لیئے حاضر ہونا دوسرے تجارتی کاروبار چھوڑ دینا جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا جہاں تجارتی کاروبار

ہوں اور ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بازاروں منڈیوں میں ہی ہوتے ہیں اور بازار و منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابوعبید نے غریب میں مروزی نے کتاب الجمعہ میں امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَا جُمُعَةَ وَلَا تَشْرِيْقَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ

آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور تکبیر تشریق نہیں ہو سکتے مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۴۔ ابن ابی شیبہ نے ان ہی امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

قَالَ لَا جُمُعَۃَ وَلَا تَشْرِيْقَ وَلَا صَلٰوۃَ فِطْرٍ وَلَا اَضْحٰی اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ مَدِيْنَۃٍ عَظِيْمَۃٍ

آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے، نہ تکبیر تشریق نہ عید بقر عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۵۔ بیہقی نے عرفہ میں انہی حضرت علی سے روایت کی۔

قَالَ لَا تَشْرِيْقَ وَلَا جُمُعَۃَ اِلَّا فِیْ مِصْرٍ جَامِعٍ۔

آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ تکبیر تشریق مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۶۔ فتح الباری شرح بخاری جلد ۲۔ صـ ۳۱۶ میں حضرت حذیفہ رض سے روایت ہے۔

قَالَ لَيْسَ عَلٰی اَهْلِ الْقُرٰی جُمُعَۃٌ اِنَّمَا الْجُمُعَۃُ عَلٰی اَهْلِ الْاَمْصَارِ مِثْلِ الْمَدَائِنِ

آپ نے فرمایا گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں جمعہ مدائن جیسے شہر والوں پر فرض ہے۔

حدیث نمبر ۷ تا ۹۔ مسلم۔ بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَۃَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِیْ فَيَاْتُوْنَ فِی الْغُبَارِ وَالْعَرَقِ الخ

لوگ نماز جمعہ کے لیئے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انہیں غبار لگ جاتا تھا اور پسینہ آجاتا تھا

حدیث نمبر ۱۰۔ ترمذی نے حضرت ثویر سے انہوں نے قبا والوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں روایت کیا۔

قَالَ اَمَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَشْهَدَ الْجُمُعَۃَ مِنْ قُبَا

فرمایا ہم قبا والوں کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نماز جمعہ کیلئے قبا سے چل کر مدینہ آیئں،

حدیث نمبر ۱۱۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روا۔

قَالَ اَلْجُمُعَۃُ عَلٰی مَنْ اٰوَاہُ اللَّیْلُ اِلٰی اَھْلِہٖ

فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے

حدیث نمبر ۱۲۔ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

اَنَّ اَھْلَ قُبَاءَ کَانُوْا یُجَمِّعُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔

قبا والے لوگ جمعہ کے دن نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴:۔ مؤطا امام مالک بَابُ لَا جُمُعَۃَ فِی الْعَوَالِیْ اور مؤطا امام محمد بَابُ صَلٰوۃِ الْعِیْدَیْنِ وَاَمْرِ الْخُطْبَۃِ میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبید موسیٰ ابن ازہر ہے۔

قَالَ شَھِدْتُ الْعِیْدَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَالَ اِنَّہٗ قَدِ اجْتَمَعَ لَکُمْ فِیْ یَوْمِکُمْ ھٰذَا عِیْدَانِ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْ اَھْلِ الْعَالِیَۃِ اَنْ یَّنْتَظِرَ الْجُمُعَۃَ فَلْیَنْتَظِرْھَا وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّرْجِعَ فَقَدْ اَذِنْتُ لَہٗ۔

فرمایا میں حضرت عثمان کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر لوٹے اور فرمایا کہ آج کے دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں، تو گاؤں والوں میں سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔

ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی اور زمانۂ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ و عیدین پڑھنے کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے۔ خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ لیتے تھے اگر گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہوتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے، گرد و غبار تپش اور پسینہ کی زحمتیں اٹھا کر جمعہ و عیدین کے لیے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ بخاری کے لفظ یَنْتَابُوْنَ اور مؤطا کے لفظ اَنْ یَّرْجِعَ سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں، ورنہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تھی بغیر جمعہ پڑھ لوٹ جانیکا کیا مطلب؟

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہو نہ کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذی الحجہ عرفہ کے دن جمعہ تھا جسمیں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھا نہ مکہ کے حاجیوں کو اس کا حکم دیا نیز صحابۂ کرام نے بہت ملک فتح کیے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات

نے گاؤں میں جمعے قائم کیئے ہوں چنانچہ فتح القدیر باب الجمعہ میں ہے۔

وَبِهٰذَا لَمْ يُنْقَلْ عَنِ الصَّحَابَةِ حِيْنَ فَتَحُوا الْبِلَادَ وَاشْتَغَلُوْا بِنَصْبِ الْمَنَابِرِ وَالْجُمَعِ اِلَّا فِي الْاَمْصَارِ

صحابہ کرام سے کہیں منقول نہ ہوا کہ جب انہوں نے علاقے فتح کیئے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعے قائم کیئے ہوں۔

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جایا کرتا تو یہ حضرات ہر جگہ ہی جمعے قائم کرتے جیسے جمعہ کیلئے خطبہ، جماعت وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کیلئے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں، ظہر سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرضکہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی طرح نہیں۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

اعتراض نمبر ۱۔ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے، وہاں شہر کی قید نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیسے لگا سکتے ہو۔ قرآنی مطلق حدیث واحد سے مقید نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے، کہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کے لیئے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی، نہ خطبہ کی، نہ جماعت کی، نہ جگہ کی، تو چاہیئے کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھا لیا کرو، نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو جنگل اور گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت جمعہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور مجمل کی تفصیل حدیث واحد سے بھی ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ احادیث واحد نہیں عرفات میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے دیکھا جنکی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی، جس فعل شریف کو اتنے صحابہ دیکھیں، وہ خبر واحد کیونکر ہو گی۔ چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے حکم جمعہ کے ساتھ فرمایا وَذَرُوا الْبَيْعَ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجد عبد القیس میں ہوا جو بحرین کے ایک قریہ جواثیٰ میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً بستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ | کفار بولے کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ وطائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا۔

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ وطائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مکہ معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ اور فرماتا ہے

وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِىْ كُنَّا فِيْهَا۔ | آپ پوچھیں اس شہر سے جسمیں ہم تھے۔

دیکھو اس آیت میں مصر کو قریہ فرمایا گیا جو عظیم الشان شہر ہے۔

۳ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ نِاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا۔ | یہ دونوں (موسیٰ وخضر علیہما السلام) ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا

اس آیت میں انطاکیہ کو قریہ فرمایا گیا، حالانکہ بڑا شہر ہے، بہرحال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جواثیٰ گاؤں نہ تھا، بلکہ شہر تھا۔ چنانچہ صحاح میں ہے

اَنَّ جَوَاثٰى حِصْنٌ بِالْبَحْرَيْنِ | جواثیٰ بحرین میں ایک قلعہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے۔ (فتح القدیر) مبسوط میں ہے

اِنَّهَا مَدِيْنَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ | وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔

بہرحال جن لوگوں نے کہا ہے کہ جواثیٰ قریہ ہے انکی مراد قریہ سے شہر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ بمعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جمعہ قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا، لہٰذا شہر والی روائتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا۔ تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام کے اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ (از فتح القدیر وغیرہ)

اعتراض نمبر ۳۔ بیہقی شریف میں بروایۃ عبد الرحمٰن ابن کعب عن کعب ابن مالک ہے فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زرارہ نے مقام حرہ بنی بیاضہ پر پڑھایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے۔ تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سعد بن زرارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی بستی تھی۔ معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جواب۔ یہ واقعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ ابھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادتیں کرتے ہیں ہم بھی عروبہ کے دن جمع ہو کر عبادات کیا کریں۔ چنانچہ حضرت اسعد ابن زرارہ نے حرہ بنی بیاضہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عروبہ کے دن جمع ہونا نماز و وعظ کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا یعنی مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اپنی اجتہادی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق بیہقی میں اسی مقام پر اور فتح القدیر میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مروجہ جمعہ ہی کی نماز تھی۔ تو حرہ بنی بیاضہ مستقل گاؤں نہ تھا۔ بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں سے تھا۔ یعنی فنائے شہر اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فنائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ وعیدین جائز ہیں۔

اعتراض نمبر ۴۔ بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب رزیق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڈانی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو، محمد ابن شہاب نے رزیق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں ایلہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب۔ اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں مسئلہ معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی ہر جگہ ہو جاتا ہو گا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری

میں اس جگہ اس شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم نے ان سے عبداللہ ابن عمر نے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جوازِ جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراض نمبر ۵۔ تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی کے اقوال ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیونکر دیا جا سکتا ہے۔

جواب۔ صحابۂ کرام کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے۔ اور یہ حدیثیں اگر قیاسات کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نماز کے لیئے شہر کی صراحۃً قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا ہے، بلکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سن کر فرمایا اسی لیئے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعًا نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۶۔ جمعہ کی نماز نمازِ ظہر کے قائم مقام ہے اسی لیئے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ جب ظہر گاؤں و شہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہر جگہ ہو جانا چاہیئے۔

جواب۔ یہ اعتراض تم پر بھی پڑ سکتا ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے جماعت سے جنگل میں۔ گھر میں۔ مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہیئے۔ اللہ کے بندو جب جمعہ اور ظہر میں بہت سے فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت مؤکدہ چھ چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد ظہر میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں ۲ ظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے لیئے اذانِ عام کی جگہ ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا۔ مگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ پڑھا۔ اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ دار الاسلام نہ تھا۔

اور قبا شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لیئے دونوں چیزیں شرط ہیں۔

اعتراض نمبر ۷۔ حنفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ میں جمعہ پڑھا جائے، منیٰ تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل ہے اگر جمعہ کے لیئے شہر شرط تھا تو منیٰ میں جمعہ جائز کیوں ہو گیا۔

جواب۔ حج کے زمانہ میں منیٰ شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں گلی کوچے بازار تو پہلے ہی بنے ہوئے ہیں، حج کے موسم میں وہ سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں حاکم بھی موجود ہوتا ہے۔ اس لیئے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی و کانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض میدان ہے چاہیئے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اُس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لیئے حجاج پر عید معاف ہے۔ رمی۔ قربانی۔ حجامت۔ طوائف زیارت یہ سب دسویں تاریخ کو کیئے جاتے ہیں ان کی ادا میں شام ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عید واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

(نوٹ ضروری) جہاں مسلمان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے کا تاکیدی حکم دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہو گا نماز ظہر رہ جائے گی۔

پچیسواں باب ۲۵

نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الٰہی درود شریف اور دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الٰہی یا دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں دیکھو ناپاکی (جنابت) کی حالت میں آیۃ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی

نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا، آپ کا مزاج کیسا ہے۔ ہم نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر تلاوت قرآنی کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، اگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اپنے دلائل، دوسری فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

پہلی فصل

اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ۱۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَّاتَ	منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ اُس پر جنازہ نہ پڑھیں

آیۃ کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوٰۃ فرمایا مگر ساتھ ہی علیٰ ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز در حقیقت دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔	اے مسلمانو تم نبی پر درود و سلام پڑھو

یہاں صلّوا علیہ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود و دعا مراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد علیٰ ارشاد ہے جب صلوٰۃ کے بعد علیٰ ہو تو وہ بمعنی دعاء رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورہ فاتحہ و تلاوت قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے تو حمد الٰہی درود شریف چاہیئے چونکہ جنازہ در حقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہٰذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اسی لیئے اس میں رکوع سجدہ نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۔ مؤطا امام مالک میں بروایۃ نافع عن ابن عمر ہے

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ لَا یَقْرَأُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ (فتح القدیر)	سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۔ اسی مؤطا امام مالک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عَمَّنْ سَئَلَ اَبَا ھُرَیْرَۃَ کَیْفَ یُصَلِّیْ	روایتہ ہے اس سے جس نے حضرت ابوہریرہ سے

عَلَى الْجَنَازَةِ فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ اَنَا لَعَمْرِكَ اُخْبِرُكَ اَتَّبِعُهَا مِنْ عِنْدِ اَهْلِهَا فَاِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمِدْتُ اللهَ وَصَلَّيْتُ عَلٰى نَبِيِّهٖ ثُمَّ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ كَانَ يَشْهَدُ الخ (فتح)

پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ نے فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت رکھی جاتی ہے تو تکبیریں کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس کے نبی صلعم پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں الٰہی تیرا یہ بندہ تیرے فلانے بندے فلانی بندی کا لڑکا توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا الخ

غور کرو، کہ حضرت ابوہریرہ کی بتائی ہوئی نماز جنازہ میں حمد۔ درود۔ دعا کا ذکر تو ہے۔ مگر تلاوت قرآن کا بالکل ذکر نہیں معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام جنازہ میں تلاوتِ قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳ و ۴۔ ابوداؤد ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت فرمایا۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ۔

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لیئے خالص دعا کرو۔

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو خلوص دل سے اس کے لیئے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات وہابی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔ کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التحیات و دعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جنازہ کی نماز میں بجز دعا کے کچھ نہ ہو رہی، حمد و درود یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے اداب میں سے ہے بہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی انہی کے خلاف ہے۔ اور احناف کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۵ تا ۱۲۔ عینی شرح بخاری جلد دوم صـ۱۵۴ باب قراءۃ الفاتحہ علی الجنازہ میں

حسب ذیل احادیث ہیں۔

وَمِمَّنْ کَانَ لَا یَقْرَأُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی الْجَنَازَۃِ وَیُنْکِرُ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِیُّ ابْنُ اَبِی طَالِبٍ وَابْنُ عُمَرَ وَاَبُوْھُرَیْرَۃَ وَمِنَ التَّابِعِیْنَ عَطَاءٌ وَطَاؤُسٌ وَسَعِیْدُ ابْنُ الْمُسَیَّبِ وَابْنُ سِیْرِیْنَ وَسَعِیْدُ ابْنُ جُبَیْرٍ وَالشَّعْبِیُّ وَالْحَکَمُ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ وَبِہٖ قَالَ مُجَاھِدٌ وَحَمَّادٌ وَالثَّوْرِیُّ وَقَالَ مَالِکٌ قِرَاءَۃُ الْفَاتِحَۃِ لَیْسَتْ مَعْمُوْلًا بِھَا فِیْ بَلَدِنَا فِیْ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ۔

اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے، ان میں حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابوہریرہ ہیں اور تابعین میں سے حضرت عطاء طاؤس۔ سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید ابن جبیر، امام شعبی اور حکم ہیں۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ یہ ہی قول مجاہد اور حماد ثوری کا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں۔

عقل کا تقاضاء بھی یہ ہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو، کیونکہ عام نمازوں میں جیسے تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی انہیں رکوع، سجدہ، التحیات میں بیٹھنا بھی رکن ہے، اور ان نمازوں میں قبر یا میت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع۔ سجود التحیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے اور دعا میں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا نماز جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، وہابی حضرات کو چاہیئے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلقین کرتا ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے اللہ تعالے کے درود واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے، اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز جنازہ کو حمد، درود دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مروجہ پنجگانہ نماز نہیں سمجھتے، بہرحال نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو ان شاء اللہ اگلے اڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاویگا۔

اعتراض نمبر ۱۔ مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَاءَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَقَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ۔

روایت ہے طلحہ ابن عبداللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لئے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے اور صحابہ کا عمل۔

جواب۔ اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے، کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ فَقَرَاءَ کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ف تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی، تیسرے یہ کہ اگر اپنی طرف سے کوئی تکبیر بھی مقرر کر لو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بنیت حمد وثناء پڑھی یا بنیت تلاوت، بنیت دعاء وتلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں، چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ وتابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لئے کیا تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ چلا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑھی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے۔ بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ ہم ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز

جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی ہو، ساتویں یہ کہ بجز سیدنا عبداللہ ابن عباس کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں۔

چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

وَلَمْ تَثْبُتِ الْقِرَاءَةُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔	نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں قرأت ثابت نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

دوسرا اعتراض۔ مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس ہے۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ	کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِذَالِكَ الْقَوِيِّ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ عُثْمَانَ هُوَ اَبُوْشَيْبَةَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ	ابوعیسٰی فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناداً قوی نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہیں۔

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی سے ابوداؤد کا نام لے گئے (مرقاۃ)، تیسرے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورۂ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لئے سورۂ

فاتحہ پڑھی ہو۔ یہاں اس کا بیان ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے

واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلان متعارف است

یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر برکت کیلئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔

بہرحال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب ثابت کرنے کے لیئے نہایت، کھری صحیح ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لیئے ایسی مجمل اور منکر وضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالےٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض نمبر ۳۔ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔ حدیث شریف میں ہے۔ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی) نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورۃ فاتحہ نہ ہونی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لیئے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں، جیسے وضو، قبلہ کو رخ۔ اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی آگے نہ رکھا جاتا۔

خاتمہ

آخر کتاب میں ہم چند اہم ضروری مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت احناف کے دل باغ باغ ہو جاویں، گلشن تقلید کے ایسے پھول سنگھاتے ہیں، جن سے ان کے دماغ ایمان مہک جاویں، کیونکہ وہابی غیر مقلدین کی خشک گفتگو سنتے سنتے دل گھبرا گیا۔

مد ۲۶

پہلا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر مقلد وہابی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت دشمن ہیں۔ ان کے مسائل پر پھبتیاں کستے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت سگ، اور تاریخ وفات بوکم جہاں پاک، لکھی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض احناف نے کہا وہابی اور گدھ کے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۴ گدھ بھی مردار خور ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بزرگوں کے تبرائی، غیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیس، چوہے کے عدد چوبیس، وہابی چوہے کی طرح دین کترتے ہیں، گدھ کی طرح غیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔

مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل نے چاہا کہ اس عالی جناب کے کچھ حالات اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا درجہ و منزلت ہے، شائد رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مدح خوانی کو میرے لئے کفارۂ سیّات بنادے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرمادے۔ مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام ونسب:۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے۔ حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقربین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی مرتضیٰ کا دار الخلافہ تھا۔ حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جو بچہ تھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کیلئے لے گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ثابت کیلئے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی۔ حضرت امام حضور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت و بشارت ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیزران قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس ابن مالک

جو بصرے میں تھے، عبداللہ ابن ابی ادفی جو کوفہ میں تھے، سہیل ابن سعد ساعدی جو مدینہ منورہ میں تھے ابو طفیل عامر ابن واصلہ جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ قول راجح ہے امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی۔

حضرت امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا۔ پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنیکی درخواست کی آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب عالم وعمل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل ومناقب ہماری حد وعد سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا زندۂ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں۔ امت مصطفویہ کے چراغ دینی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں، ہمارا رسول رسول اعظم صلے اللہ علیہ وسلم ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام امام اعظم عظمت وعزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ وکرمہ، ہم تبرک کے لئے چند مناقب عرض کرتے ہیں، حنفی سنیں اور باغ باغ ہوں

ع۱ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشنگوئی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم وبخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابونعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس ابن ثابت ابن عبادہ سے روایت کی۔

لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَارِسَ وَفِیْ رِوَايَةِ الْبُخَارِیِّ وَالْمُسْلِمِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ كَانَ الدِّيْنُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ۔

اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔

بتاؤ فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کون ہوا؟

ع۲ علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تُرْفَعُ زِیْنَۃُ الدُّنْیَا سَنَۃَ خَمْسِیْنَ وَمِائَۃٍ | سنہ ڈیڑھ سو میں دنیا کی زینت اٹھالی جاوے گی۔

سنہ ڈیڑھ سو میں حضرت امام اعظم کی وفات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم دنیائے شریعت کی زینت، شریعت کی رونق علم وعمل کی زیبائش تھے، امام کردری نے فرمایا، کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

ع۳ حضرت امام اعظم دنیائے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں۔ جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول پر احسان عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

ع۴ حضرت امام اعظم تمام فقہاء ومحدثین کے بلاواسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد چنانچہ امام شافعی حضرت امام محمد کے سوتیلے بیٹے اور ان کے شاگرد ہیں، ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا، نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاذ وشیخ حنفی ہیں۔ گویا آسمانِ علم کے سورج امام اعظم ہیں باقی علماء تارے

ع۵ امام اعظم رحمۃ اللہ کے بلاواسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں۔ جن میں سے اکثر مجتہد ہیں۔ جیسے امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام ابن مبارک جو دنیائے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے نوسو نوے دینی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں۔ جنہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے۔ اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

ع۶ تمام نبیوں کے سردار چار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب، فرشتوں کے سردار

چار فرشتے صحابہ میں افضل والے چار یار، علمائے مجتہدین میں افضل چار امام پھر ان چار نبیوں میں حضور افضل چار کتابوں میں قرآن افضل، چار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل، چار یار میں ابوبکر صدیق افضل چار اماموں میں امام اعظم افضل، اسی لیے امام شافعی نے فرمایا، کہ فقہاء ابو حنیفہ کی اولاد ہیں، وہ ان سب کے والد۔

ع۷ امام اعظم جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہسوار چنانچہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی، گھر سے کھانا لائے۔ باہر طلباء کو کھلا دیا۔ گھر والے سمجھے کہ باہر جاکر کھایا، باہر والے سمجھے کہ گھر میں کھاکر تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں اکسٹھ قرآن کریم ختم کرتے تھے، ایک قرآن دن میں، ایک رات میں اور ایک سارے مہینہ میں تراویح میں مقتدیوں کیساتھ پچپن حج کیئے۔

ع۸ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لیئے اکسیر اعظم ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ تو میں بغداد شریف امام اعظم کے مزار شریف پر حاضر ہوتا ہوں، دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہٗ کی قبر انور پر حاضر ہوتے۔ تو حنفی نماز پڑھتے تھے، کہ قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے۔ کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام و ادب کرتا ہوں۔ شامی۔

خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے ادب میں سنت ترک فرما دیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں، دوسرے آئمہ غلطی پر بلکہ اپنے حق ہونے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ شاید دوسرے امام کا قول حق ہو، عقائد میں یقین ہے اور آئمہ کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن غالب ہے۔ تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے ہیں اس میں ایک سنّت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

ع۹ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے سنّو بار رب تعالےٰ کو خواب میں دیکھا۔ آخری بار جو دعا رب سے پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ ردالمحتار میں تفصیل وار درج ہے۔

ع۱۰ امت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ، غوث و قطب، ابدال، اوتاد حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں، جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادھم، شقیق بلخی، معروف کرخی، حضرت بایزید بسطامی فضیل ابن عیاض خراسانی، داؤد ابن نصر، ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو حامد لفاف خزروی بلخی، خلف ابن ایوب، عبداللہ ابن مبارک ولی، فقیہ، محدث، وکیع ابن جراح شیخ الاسلام ابوبکر ابن وراق ترمذی جیسے سردارانِ اولیاء حنفی ہی ہیں، اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، غرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء اللہ حنفی ہی ہیں، فخر پاک و ہند حضرت داتا گنج بخش ہجویری جن کا آستانہ مرجع خلائق ہے۔ حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی، قادری نقشبندی، سہروردی مشائخ سب حنفی ہیں۔

ع۱۱ حضرت امام اعظم کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے، وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، حرمین طیبین میں اکثر حنفی بلکہ دنیائے اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہے، دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں، جیسے بلخ بخارا، کابل قندھار اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنبلی، مالکی دیکھنے میں نہیں آئے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کے نہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت ایسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم مقبول بارگاہ الٰہی ہیں اور مذہب حنفی عند اللہ محبوب ہے۔

ع۱۲ امام اعظم کے مخالفین نے بھی امام اعظم کے فضائل و مناقب میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الانتصار الامام آئمۃ الامصار دو جلدوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تبییض الصحیفہ فی المناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف ابن عبد الہادی حنبلی نے تنویر الصحیفہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ تحریر فرمائی، جس میں ابن عبداللہ کا قول نقل فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں، کہ میں نے امام ابوحنیفہ جیسا عالم، فقیہہ متقی بہتر نہ دیکھا۔

غرضکہ امّتِ مرحومہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے فضل وکمال کے گواہ ہیں۔ اگر مٹھی بھر وہابی ان کی شان میں بکواس کریں، توکیا اعتبار، اگر چمگادڑ سورج کو بُرا کہے تو سورج سیاہ نہیں ہو جاتا۔ جیسے آج روافض حضراتِ صحابہ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہابی غیر مقلد حضرات امام پر رضؓ۔

ع۱۳ تمام آئمہ مجتہدین میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نہایت قریب ہے، کہ آپ کی ولادت پاک ۸۰؁ھ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات وروایت کی۔ جنہوں نے آپ کی تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ سیّدنا عبداللہ ابن ابی اوفی جیسے صحابی امام اعظم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ ملیں! آج بزرگوں سے ملنے دنیا کھنچی آتی ہے۔ صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا۔ بہرحال آپ تابعی ہیں۔ اور آپ کو صحیح حدیثیں حضور سے ملیں، خیر القرون میں ہوئے۔ خیال رہے کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت ۸۰؁ھ ہجری میں ہے۔ وفات ۱۵۰؁ھ میں، عمر شریف ستر سال، مزار شریف بغداد میں، امام مالک کی ولادت ۹۰؁ھ ہجری میں وفات ۱۷۹؁ھ میں عمر شریف ۸۹ سال، مزار شریف مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف ۱۵۰؁ھ میں وفات ۲۰۴؁ھ عمر شریف ۵۴ سال، آپ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، امام احمد ابن حنبل کی ولادت شریف ۱۶۴؁ھ میں وفات ۲۴۱؁ھ میں، عمر شریف ۷۷ سال۔

ع۱۴ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض وبرکات حاصل کیے جو دوسرے آئمہ کو حاصل نہ ہوئے۔ کیونکہ امام اعظم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔ لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ اگر وہ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔

ع۱۵ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر صدیق کے مظہر اتم ہیں، حضرت ابوبکر صدیق حضور علیہ السلام کے خلیفہ اوّل ہیں اور امام اعظم حضور کی امّت کے مجتہد اول صدیق اکبر جامع قرآن ہیں امام اعظم جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور کے بعد پہلے عدل وانصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام اعظم نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی، ابوبکر

صدیق نے امت مصطفوی کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچالیا، شیرازہ بکھرنے نہ دیا، امام اعظم نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر و الحاد زندقہ کی آندھیوں سے بچالیا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت مسلمہ کفار و مرتدین کے فتنوں سے محفوظ ہے۔

ع۱۶ جیسے حضور غوث اعظم تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث پاک کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اوّل ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر

غوث اعظم درمیان اولیاء ؎ چوں جناب مصطفےٰ در انبیاء

ایسے ہی امام اعظم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لیئے طریقت کے امام اوّل کا لقب غوث اعظم ہوا اور شریعت کے امام اوّل کا لقب امام اعظم بغداد شریف مجمع بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔

دوسرا مسئلہ ۲۷

تقلید کی اہمیّت

ہم نے رب تعالےٰ کے فضل و کرم سے جاء الحق حصّہ اوّل میں مسئلہ تقلید بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جواب آج تک وہابی غیر مقلدین سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرمادیں، اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لیئے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالےٰ قبول فرمادے آمین۔

خیال رہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیۃ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسّر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار یار کیا وہ حضرات آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی و امام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔	میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔

رب تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کی برکت سے گمراہی

بدعقیدگی فسق و فجور سے محفوظ و مامون رکھا، خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔	رب تعالےٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ۔	اے صحابہ کرام رب نے کفر و فسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈالدی

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمالیا کہ ارشاد فرمایا۔

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى	رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔

بلکہ رب تعالےٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہان کے ایمان کا معیار بتایا کہ جسکا ایمان ان کی طرح ہو وہ مومن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے۔ کہ فرمایا

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔	اگر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لاویں۔ تو ہدایت پر ہوں گے۔

اگر صحابہ کرام کے فضائل و مراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔ بہرحال حضور کی صحبت شریف کی برکت سے صحابہ کرام کے دل روشن سینے نورانی تھے، وہ حضرات فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے۔ نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت سے فرقے نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے و فساد لہٰذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تمام جہان کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ و منطق کا الحاق پیدا ہوا، تب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل استنباط فرمائے دین محمدی کے جزئیات کو آئینہ کی طرح صاف فرمادیا امت نے محسوس کیا، کہ اب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں غرضکہ بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے، عوام، علماء، مجتہدین، عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازم و ضروری سمجھا، یہ تقلید و اجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ اولاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم بھی کتابی

شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا۔ پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر زبر لگائے گئے پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سیپارے مرتب گئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام و احکام بنانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرضکہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں بنتی گئیں۔ یہ ہی حال آئمہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، اعراب سیپارے بنانا۔ علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں۔ تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے۔ ہم اسجگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن۔ حدیث عمل امت۔ عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ سنیئے اور ایمان تازہ کیجیئے رب فرماتا ہے۔

۱ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔	پھر اگر تم نہ جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی اٹکل نہ لگائے ناواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے پوچھے، غیر مجتہد عالم مجتہد علماء سے دریافت کریں، اس ہی کا نام تقلید ہے۔

۲ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ	اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امر والے علماء کی،

قرآن کریم پر عمل اللہ کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے، یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولوالامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین، کیونکہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں، صرف انہی احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام و سلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

ع۳ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

اول سبقت کرنیوالے مہاجرین اور انصار اور وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوا یہ اللہ سے راضی۔

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے۔ مہاجرین، انصار اور تا قیامت ان کی اتباع و تقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ تو وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری، اور نہ ان کے مقلد ان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

ع۴ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ

اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیتہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت وہابیت مردودوں کا راستہ ہے۔

ع۵ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

معلوم ہوا کہ صرف ہمارا تقویٰ و پرہیزگاری بخشش کے لئیے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ اچھوں کی سنگت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں ڈکیتی کا اندلیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں، اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء علماء محدثین مفسرین مقلد گزرے، غیر مقلدوں میں اگر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھاؤ، جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ لگیں وہ چولھے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے ایسے ہی جس فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں، وہ دوزخ کے قابل ہے، کیونکہ اس کا تعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ چکا ہے۔

ع۶ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

ہم کو ہدایت دے سیدھے، راستہ کی انکا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے۔ کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں، حضور غوث پاک خواجہ اجمیری خواجۂ بہاؤ الدین نقشبند امام ترمذی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے۔ اور

وہابیت غیر مقلدیت ٹیڑھا راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

ع۷ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔ | جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جدھر وہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھر دینگے اور اسے دوزخ میں پہونچائینگے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سزا حضور کی مخالفت کرنیوالے کفار کی ہے، وہ ہی سزا ان کلمہ گو بے دینوں کی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائیں، تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے غیر مقلد ان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

ع۸ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا | اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالےٰ کے دنیا و آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستہ یا جس مسئلہ کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ واقعہ میں برا۔ عام و یکھ لو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں، مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو برا جانتے ہیں۔ لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلدین اچھی جماعت۔

احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ (مشکوٰۃ) | بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جاویگا۔

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہیئے، جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے، عام المسلمین مقلد ہیں۔ غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲ تا ۴۔ مسلم۔ ترمذی۔ احمد نے حضرت حارثہ اشعری سے روایت کی۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا۔ اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

حدیث نمبر ۵۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَارِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَارِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ایمان مدینہ منورہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا۔ جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے۔ اور رہیگا۔ وہاں انشاء اللہ کبھی شرک نہ ہو گا۔ الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے، غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیئے گئے وہاں تقیہ کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی۔ پھر ہندوستان آکر غیر مقلد بن گئے، نذیر حسین غیر مقلدوں کے سرگروہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے۔ مگر نجدی بھی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں، اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طیبین اس سے پاک و صاف رہتے۔

حدیث نمبر ۶۔ امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَاْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ اِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ۔ (مشکوٰۃ باب الاعتصام)

فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی یا کنارہ والی یا بچھڑ جانیوالی کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھاٹیوں سے بچو جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔

۷۔ لَا يَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلَى الضَّلَالَةِ وَيَدُ

میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہو گی جماعت

اللہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ فَاِنَّ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ (مشکوٰۃ)	پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہو کر جاوے گا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آگیا، عام جماعت مسلمین مقلد ہے۔ لہٰذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔

عمل مسلمین۔ ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہا، اولیاء اللہ ان میں کوئی غیر مقلد وہابی نہیں، چنانچہ امام قسطلانی اور تاج الدین سبکی نے صراحتہً امام نووی نے اشارۃً فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی ابو داؤد، نسائی، دارقطنی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔ طحاوی و امام زیلعی، عینی شارح، بخاری، طیبی، علی قاری، عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر المقیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں۔ تفسیر مدارک، تفسیر صاوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور اولیاء اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں اور عام اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں، ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس شاخ کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تقلید اشد ضروری فریضہ ہے اور غیر مقلدیت نجدیت زہر قاتل ہے، ایمان کے لئے سخت خطرناک ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن و حدیث مسائل نکالنے کے لئے آسان نہیں، ان سے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس ہی لیئے رب تعالےٰ نے قرآن سکھانے کے لیئے اتنے بڑے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اگر اسے سمجھنے کے لئے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے لئے حضور سید الانبیاء نہ بھیجے جاتے فرماتا ہے۔

یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔	وہ رسول مسلمانوں کو قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔

جیسے قرآن سمجھانے کے لیئے حضور بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کیلئے آئمہ مجتہدین پیدا

فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن وحدیث میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر مقلد وہابیوں کو بارہا اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہ ہی بتا دو کہ حدیث اور سنت میں فرق کیا ہے۔ حدیث کسے کہتے ہیں، اور سنت کسے تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو۔ ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے۔ مگر یہ فرق حدیث سے ثابت کیا جاوے، آج تک نہ بتا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے۔ ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی وہابی صاحب تکلیف کر کے جواب دیں، حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کی چار حدیثیں بے سمجھے رٹ لیں، اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے۔ تو ہمارے حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الباری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہ تعالےٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے، بطور مثال ایک عام مشہور مختصر سی حدیث پیش کرتا ہوں۔

اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ۔	اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت وطریقت کے مستنبط کیئے۔

عـ۱ حضور کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں، بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور کے چاہنے والے ہیں۔ حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زلیخا، حسن محمدی آج کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں۔ حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

عـ۲ جس انسان کو حضور سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

عـ۳ جب حضور پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں احد ہم سے محبت کرتا ہے۔ تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

عـ۴ حضور کی بارگاہ میں عشق ومحبت اور دلی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ

دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں، احد نے منہ سے کچھ نہ کہا، مگر اس کے دل کا حال حضور پر روشن تھا۔ اگر حضور انسانوں کے دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے۔ جو بھی حضور سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور فرماویں کہ مجھے خبر نہیں تو مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیئے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو کی چمک نہ ہوگی۔

ع۵ تمام عبادتوں کا بدلہ جنت ہے مگر محبت مصطفوی کا نتیجہ محبت ہے کہ فرمایا احد ہم سے محبّت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لہذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔

بخاری شریف کی ایک اور حدیث سنو اور اس سے ایمانی وعرفانی مسائل کا استنباط ملاحظہ کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث :۔ حضور دراز گوش پر سوار جا رہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں دراز گوش دو پاؤں سے کھڑا ہوگیا، حضور اُتر پڑے اور فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر خچر گھبرا گیا۔ ان میں سے ایک تو اونٹوں کا چرواہا تھا، جو اونٹوں کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا، اس لیئے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چیریں فرما کر دونوں قبروں پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تر ہیں، عذاب قبر میں تخفیف ہو گی۔

فوائد :۔ اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

ع۱ حضور کی چشم مبارک کے لیئے کوئی چیز آڑ نہیں، آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر نگاہ پاک مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے۔

ع۲ جس جانور پر حضور سوار ہو جاویں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ خچر نے حضور کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھڑک گیا ورنہ ہمارے خچر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں، نہیں بھڑکتے، لہذا اگر حضور کسی ولی پر نظر کرم فرماویں تو اس

کی نگاہ سے بھی غیبی حجاب اٹھا جائیں گے۔
ع۳ حضور ہر شخص کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں۔ کہ فرمایا کہ ایک چغل خور تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور کے سامنے نہ کئے تھے لہٰذا حضور ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔
ع۴ حضور عذاب الٰہی سے بچانا عذاب دور کرانا بھی جانتے ہیں۔ گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لئے تر شاخیں قبروں پر گاڑھ کر فرمایا کہ اس سے عذاب ہلکا ہوگا۔
ع۵ تر سبزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے تر سبزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔
ع۶ اگرچہ خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں، وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا، ذکر کی تاثیر کے لیے زبان بھی تاثیر والی چاہیئے، لہٰذا وہابی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جس کے دل میں محبت مصطفٰے کی تری و سبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔
ع۷ مومن کی قبر پر سبزہ پھول وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جبتک کہ یہ تر رہیگی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔
ع۸ حلال جانور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے مگر اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہوئیں۔
یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کرلو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

فَمَا دَلَّھُمْ عَلٰی مَوْتِہٖۤ اِلَّا دَآبَّۃُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَہٗ۔	جنات کو حضرت سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ

اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیمک نے لاٹھی کھالی۔ لاٹھی گرنیکی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آرہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے۔ کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فائدے:۔ اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

ع۱ انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گلنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا، مگر کوئی فرق نہ آیا۔

ع۲ انبیاء کرام کے اجسام شریفیہ کو کیڑا نہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیمک نے حضرت سلیمان کی لاٹھی کھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہٰذا یعقوبؑ کو یقین تھا کہ یوسفؑ کو بھیڑیئے نے نہ کھایا یہ فرزند غلط کہہ رہے ہیں

ع۳ پیغمبر کا کفن بھی گلنے میلا ہونے سے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سلیمان کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ گلا نہ میلا ہوا، ورنہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

ع۴ انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی و دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت سلیمان نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرا دی۔

ع۵ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگا دینا سنت الٰہیہ ہے، دیکھو رب تعالےٰ نے تکمیل مسجد کے لیئے حضرت سلیمان کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن دفن رکھا، لہٰذا صحابہ کرام کا تکمیل خلافت کے لیئے حضور کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

ع۶ ہارٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیئے عذاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیے عذاب ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا۔ لہٰذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیۃ کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے اپنے اس حاشیۃ القرآن میں بیان کیئے۔

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دو خاص نعمتوں کا

ذکر فرمایا اور ان کے شکریہ میں رب کی تسبیح وحمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق درجوق فوج درفوج اسلام قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے

ع۱ صحابہ کرام کی تعداد دوچار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزارہا ہے کیونکہ رب تعالےٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دوچار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سوتیرہ رسول ہیں اور چار مرسل ایسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سوتیرہ بدر والے اور چار خلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

ع۲ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالےٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہوگئے۔ ان کا داخل فی الدین ہوجانا قرآن سے ثابت ہوا لہذا ابوسفیان، ہند، عکرمہ، امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سچے پکے مخلص مومن ہیں۔ جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

ع۳ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد [illegible] یہ حضرات ایمان پر قائم رہے اُن کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریح آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الٰہیہ کیا اگر یہ لوگ آیندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالےٰ بجائے تسبیح وتحمید کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائینگے، اب جو تاریخی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے، وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

وھابیو! بولو آج تک قرآن وحدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کسی وہابی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئے، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے۔ تم نے صرف غلط سلط ترجمے کرنا ہی سیکھے ہیں۔

حنفی بھائیو! اگر تمہیں اس جیسے صدہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو، تو ہمارا حاشیہ القرآن اُردو اور حاشیہ بخاری انشراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن و حدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کرسکتا اگر کریگا تو جان سے ہاتھ دھوئیگا۔ ایسے ہی قرآن و حدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن و حدیث سمندر ہیں، جیسے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا، ایسے ہی قرآن و حدیث سے ہر شخص مسئلے نہیں نکال سکتا، تمہیں موتی سمندر سے نہ ملیں گے بلکہ جوہری کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن و حدیث سے نہ ملیں گے، بلکہ امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے۔ کھانا پکانا۔ کپڑا سینا پہننا، غرضکہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے نکیلے اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا ادھر چل دیا تو دین تباہ ہو جائیگا غیر مقلد وہابیوں کو چاہیئے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر جوتہ ٹانگوں میں کرتہ اور کندھے پر پائجامہ پہنا کریں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے یہ ہیں، غیر مقلد، یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے۔ قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں۔ غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے بنو ہر کام انوکھا کرو، ہر بات نرالی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث میں اتنا تعارض معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ ایک مسئلہ کے متعلق جب احادیث دیکھی جاویں تو چکر آجاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیثیں دیکھی جاویں، تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کدھر جائیں کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھاویں، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روائتیں موجود ہیں حضور وتر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، سات پڑھتے تھے، تو گیارہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھاویں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک وہابی صاحب نے آمین بالجہر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آمین بالاخفاء کی پانچ پڑھ دیں۔ بیچارے منہ تکتے رہ گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناسخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنیٰ پر ہے کون واجب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس

رسول ہو۔ اور راز دار پیغمبر یہ مزاج شناسی راز داری ہر ایرے غیرے کا کام نہیں۔

وہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے، لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبدالوہاب ہے جو نجد کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو وہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جاوے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیشین گوئی خود حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے کی تھی کہ نجد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَيُخْرِجُ مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔	نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالوہاب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاء الحق حصہ اوّل میں ملاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحد کہتے ہیں۔ مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان اقدس میں تبرّے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر وہابی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفۂ وہابیہ وغیرہ ہیں۔ مگر اب وہابی کے نام سے چڑتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر سا تبصرہ کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو، کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے

خیال رہے کہ دنیا میں کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا

اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے دو نقیضین یا دو ضدیں کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات، گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

۱۔ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍ بَعۡدَهٗ یُؤۡمِنُوۡنَ۔	قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔
۲۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ۔	اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔
۳۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ	بعض لوگ وہ ہیں، جو کھیل کی باتیں و ناول، قصے خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکادیں۔

اس تیسری آیت میں ناول قصے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے۔ جس میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کئے جاویں، اس عامل بالحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو، لغوی پر یا اصطلاحی پر ہوا گر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہیئے کہ ہر ناول گو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے۔ کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے، حضور فرماتے ہیں، کہ سچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک و کافر اس کا قائل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے۔ تم حنفی، شافعی۔ مالکی۔ حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر اہل حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثیں منسوخ ہیں، بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیئے مباح یا فرض تھے، ہمارے لیے حرام ہیں، جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمانا۔ حضرت حسین سید الشہداء خاتم آل عبا رضی اللہ عنہ کے لیئے سجدہ دراز فرمانا۔ حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا۔ نو بیویاں نکاح میں رکھنا۔ بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کلمہ یوں پڑھتے تھے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ الخ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، یہ حضرات اسی

حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرضکہ حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے کمال ہیں، ہمارے لئے کفر۔

اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال کریمہ جو نسیان یا اجتہادی خطاء سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیئے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا، جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے۔ وہ غلط کہتا ہے۔ جب نام ہی جھوٹ ہے۔ تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے، اسی لیئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ۔	لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنّت لائق عمل ہے حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطاءً انسیاناً بھی سرزد نہ ہوں، بلکہ امت کے لیئے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق و درست ہے۔ کہ ہم بفضلہٖ تعالےٰ حضور کی ہر سنت پر عامل ہیں۔ مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے، کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لیئے کون فعل شریف اقتداء کے لیئے ہے۔ کون نہیں کس فرمان کا کیا منشاء ہے۔ کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحۃً ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارۃً کون دلالۃً کون اقتضاءً یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں۔ ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ جیسے قرآن پر عمل کرانا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرانا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا، بغیر امام و مجتہد حضور کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے۔ اسی لیئے علماء فرماتے ہیں۔

اَلْقُرْاٰنُ وَالْحَدِيْثُ يُضِلَّانِ اِلَّا بِالْمُجْتَهِدِ	بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہیں۔

رب تعالےٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔

يَهْدِي بِهٖ كَثِيْرًا وَّيُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا۔	اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ بہت کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔

چکڑالوی اس ہی لئے گمراہ ہیں، کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر امام مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت کا ان شاء اللہ بیڑا پار ہے، کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ اہل حدیث بننا ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بننا حق ودرست ہے۔ اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا۔ جو کسی امام کا مقلد ہوگا، قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا۔ رب فرماتا ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ	اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے

خیال رکھو کہ قرآن وسنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی۔ لیکن ہم تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔ انشاء اللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے، اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے۔ اور نماز میں کتنے فرض ہیں۔ کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحبات کتنے مکروہ تنزیہی، کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام انشاء اللہ تاقیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث سے نہیں بتا سکتے۔ حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے۔ تو دوستو ضد کیوں کرتے ہو، تقلید اختیار کرو۔ جس میں دینی ودنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان ۱۳۷۶ھ اپریل ۱۹۵۷ء روز دوشنبہ کو شروع ہو کر ۳ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یکم جولائی ۱۹۵۷ء بروز دوشنبہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو

پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اسے قبول فرمائے۔ میرے لئے کفارہ سیات اور صدقہ جاریہ بنائے۔ مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گناہگار کے لیئے حسن خاتمہ اور معافی سیات کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اٰمِيْن
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝

(محمد یوسف کاتب گوندلانوالہ ضلع گوجرانوالہ)
(قصاب)

احمد یار خاں اشرفی بدایونی

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (مغربی پاکستان) ۲ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یوم دوشنبہ مبارکہ یکم جولائی ۱۹۵۷ء

فہرست مضامین جاء الحق حصہ دوم

فہرست کتب نعیمی کتب خانہ گجرات

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
اسلامی زندگی غیر مجلد	۷-۰۰	الکوکبۃ شہابیہ	
سلطنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۲-۰۰	انباء مصطفےٰ	
نئی تقریریں	۲-۵۰	اہلاک الوہابیین	
علم القرآن	۳-۰۰	ازلتہ العار	
فتاوی نعیمیہ	۴-۵۰	الزمزمتہ القمریہ	
درس القرآن		افاز جدالکرامیہ	
اسرار الاحکام		الخطبات رضویہ	
سفرنامہ حجاز		الہادی الحاجب	
سفرنامہ قبلتین		ایذان الاجر	
امیر معاویہ		اجلی انوار الرضا	
وسیلہ اولیاء		الفضل الموہبی	
علم المیراث		افتائے حرمین	
دیوان سالک		ابرالمقال	
اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں		الجام الضاد	
رسالہ نور		حاشیہ نبراس	
ایک اسلام		حالات امام اعظم	
الکلام المقبول		ترجمہ قرآن مجید حمائل ومختصر حاشیہ	
ازبلا		الوظیفتہ الکریمیہ	
راہ جنت بجواب راہ سنت		الاعلام	
الامن والعلیٰ		الیاقوتۃ الواسطہ	
احکام شریعت		الحجۃ الفاتحہ	
الملفوظ مکمل		البدر الاجلہ	
الذبدۃ الذکیۃ		اعجب الامداد	

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
الهدایۃ المبارکہ		السوء العقاب	
التجبیر بباب التدبیر		الحروف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن	
النہی الحاجر		الدولۃ المکیۃ مجلد	
اعز الاکتناہ		الکشف شافیا	
القطوف الدانیہ		برلیق المنار	
العروس المعطار		برکات الامداد	
التحریر الجید		بدر الانوار	
اسماع اربعین		بذل الجوائز	
الطیب الوجیز		تجلی الیقین	
الادلۃ الطاعنہ		تفاسیر الاحکام	
اتیان الارواح		تیسیر الماعون	
القول العجیب		تنز المکانۃ الحیدریہ	
جلی الصوت		تدبیر فلاح	
احسن الدعاء		تازہ فتوے	
اراعۃ الادب		تمہید الایمان	
المیلاد النبویہ		جزء اللہ عدوہ	
انہار الانوار		جمع القرآن	
انوار البشارۃ			

نعیمی کتب خانہ گجرات (مغربی پاکستان)

محمد یوسف کاتب گوندلانوالہ
ڈاکخانہ جامو ضلع گوجرانوالہ

زاہد پرنٹرز